* ماسٹر امین اوکاڑوی کے دس جھوٹ (ص ۳۴)
* یمن کا سفر
* اللہ عرش پر ہے
* سنت سے محبت
* نبی ﷺ کا امتی کے پیچھے نماز پڑھنا

احسن الحدیث بسم اللہ الرحمن الرحیم حافظ ندیم ظہیر

اطاعت الٰہی اور تقویٰ کی ترغیب

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِیْنَ وَالْمُنٰفِقِیْنَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِیْمًا حَكِیْمًا ٥ وَّاتَّبِعْ مَا یُوْحٰۤی اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِیْرًا ٥ وَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ وَكَفٰى بِاللّٰهِ وَكِیْلًا ٥

ترجمہ: اے نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ اللہ سے ڈریئے اور کافروں اور منافقوں کی بات نہ مانیئے بے شک اللہ بڑا جاننے والا بڑا حکمت والا ہے۔ اور آپ پر آپ کے رب کی طرف سے جو وحی آتی ہے اس کی اتباع کیجئے۔ (مومنو!) بے شک اللہ تمہارے اعمال سے پوری طرح باخبر ہے۔ اور آپ (سب) اللہ پر بھروسہ کریں اور اللہ بحیثیت کارساز کافی ہے۔ (الاحزاب:۱تا۳)

فقہ القرآن:

۱: اللہ تعالیٰ کے اوامر کی اتباع اور اس کے نواہی سے اجتناب میں تقوی (خوف الٰہی) واجب ہے۔

۲: گناہوں کو چھوڑنے اور نیکی کے کام کرنے پر طبیعت کا مائل ہونا اور اپنے گناہوں کے انجام سے ڈر کر ان سے بچنے کی کوشش کرنا تقوی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ﴾ اسی طرح اللہ تعالیٰ اپنی نشانیاں لوگوں کے سامنے کھول کر بیان کرتا ہے تاکہ وہ پرہیزگاری (تقوی) اختیار کریں (البقرۃ:۱۸۷)

۳: کافروں اور منافقوں کی پیروی حرام ہے اگرچہ وہ اپنے آپ کو خیرخواہ اور دوست ظاہر کریں ارشاد ربانی ہے:

﴿لَا یَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُوْنَ الْكٰفِرِیْنَ اَوْلِیَآءَ مِنْ دُوْنِ الْمُؤْمِنِیْنَ﴾ اہل ایمان کے لیے مناسب نہیں کہ مومنوں کے بجائے کافروں کو دوست بنائیں (آل عمران:۲۸)

۴: کتاب وسنت کی پیروی فرض ہے اور اس کے مقابلے میں ہر بات ردّی اور مردود ہے۔

۵: اسباب کی حد تک مکمل تیاری اور وسائل کے استعمال کے بعد اللہ کی ذات پر بھروسہ کرنا توکل ہے۔ واضح رہے ایک مومن اسباب و وسائل کا استعمال ضرور کرتا ہے اسے اس کا حکم بھی ہے لیکن اس کا سارا اعتماد اسباب و وسائل ہی پر نہیں ہوتا بلکہ اصل اعتماد اللہ کی ذات پر ہوتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم اللہ پر اس طرح توکل کرو جیسا کہ اس پر توکل کرنے کا حق ہے تو وہ تمہیں اس طرح روزی دے جیسے وہ پرندوں کو روزی دیتا ہے وہ بھوکے نکلتے ہیں اور شام کو شکم سیر ہو کر لوٹتے ہیں۔ (سنن ترمذی:۲۳۴۴ وقال: حسن صحیح)

کلمۃ الحدیث حافظ ندیم ظہیر

غوروفکر

حال ہی میں ''سونامی طوفان'' کا جھونکا بے شمار گھرانوں کی تباہی کا سبب بنا۔جن میں لاکھوں افراد سیلاب کی زد میں اور ایسے ہی لاتعداد زلزلہ کی تھرتھراہٹ سے منوں مٹی کے نیچے چلے گئے۔مختصر سے عرصہ میں اتنا بڑا واقعہ حقیت میں لوگوں کی توجہ قرآن مجید کی آیت: ﴿وَلَنُذِيقَنَّهُمْ مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰى دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾ (السجدۃ:۲۱)
اور ہم انھیں بڑے عذاب سے پہلے چھوٹے عذاب کا مزہ چکھائیں گے شاید کہ وہ اپنے رب کی طرف رجوع کرلیں۔
اور فَاعْتَبِرُوْا يَا اُولِي الْاَبْصَار کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہے کہ اے اہل فکرودانش!ان واقعات سے عبرت حاصل کرو۔لیکن صد افسوس! کہ خون کے آنسو رلا دینے والے یہ واقعات بھی امت مسلمہ کو ان کی غیر اسلامی سرگرمیوں سے ہٹا نہ سکے۔ایک طرف متاثرین ''سونامی طوفان'' کی تعداد بڑھتی رہی اور دوسری طرف نئے سال کے جشن میں موسیقی کے اسٹیج سجتے رہے۔لیکن اب ڈپلومیسی اپنی تمام تر حدود تجاوز کرگئی کہ ایک طرف بزعم خویش کشمیری مسلمانوں کی حوصلہ افزائی کے لیے پانچ فروری کو ''اظہار یکجہتی'' منایا گیا ہے تو دوسری طرف ہندوانہ رسم ''بسنت رجشن بہاراں'' کی خوب تشہیر بلکہ فحاشی وبے حیائی کے اڈے قائم کیے گئے ہیں اور دنیا کو بتایا گیا ہے کہ ہماری ہمدردیاں اور محبتیں اہل اسلام کے بجائے اہل کفر کے لیے ہیں جس کا (عملی) ثبوت ہمارا کردار ہے۔شاعر نے خوب کہا ہے کہ:

؎ وضع میں ہو تم نصاری تمدن میں ہنود
یہ ہیں مسلماں جنھیں دیکھ کے شرمائیں یہود

جس طرح ان رسم ورواج کو سینہ سے لگانے والوں کی کمی نہیں ہے اسی طرح ان رسم ورواج کو کھینچ تان کر شریعت میں ان کی گنجائش نکالنے والے موسیقی کے دلدادہ (اخبار اور ٹی وی چینل) کی زینت بننے والے مفتیان کرام بھی بہت ہیں! جبکہ اسلام میں ان رسوم کا تصور بھی نہیں ہے۔نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: من تشبه بقوم فهو منهم
جس نے جس قوم کی مشابہت اختیار کی (اس کا شمار) اسی (قوم) سے کیا جائے گا۔(ابوداود:۴۰۳۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ سلم نے فرمایا: المرء مع من أحب (صحیح بخاری:۶۱۷۰) آدمی اس کے ساتھ ہے جس سے وہ محبت رکھتا ہے۔
اور ہماری قوم ویلنٹائن ڈے (محبت کا دن)، سالگرہ اور دیگر اس جیسے خرافات میں کھو کر اپنی بقا کی تلاش میں ہے حالانکہ امت مسلمہ کی بقا اور اخروی نجات اسی میں ہے کہ وہ اسلامی تہذیب وتمدن، ثقافت وکلچر کو اپنائیں اور غیر شرعی کاموں اور امورِ معاصی کو ترک کردیں۔ ؎ لا کہیں سے ڈھونڈ کر اسلاف کا قلب وجگر

فقہ الحدیث　حافظ زبیر علی زئی

دوہرے اجر کے مستحق لوگ

(۱۱) وعن أبي موسى الاشعري ، قال:قا ل رسول الله صلى الله عليه وسلم :" ثلاثة لهم أجر ان : رجل من أهل الكتاب آمن بنبيه و آمن بمحمد ، والعبد المملوك إذا أدّى حق الله وحق مواليه ، ورجل كانت عنده أمة يطؤها ، فأدبها فأحسن تأديبها ، وعلمها فأحسن تعليمها، ثم أعتقها فتزوجها فله اجران''متفق عليه

ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تین آدمیوں (میں سے ہر ایک) کے لیے دوگنا اجر ہے:

۱: اہل کتاب میں سے وہ آدمی جو اپنے نبی اور (نبی) محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر ایمان لائے۔

۲: وہ غلام جو اللہ اور اپنے آقاؤں کا حق ادا کرے۔

۳: وہ آدمی جس کی ایک لونڈی ہے جس سے وہ فائدہ اٹھاتا ہے، پھر وہ اسے اچھے طریقے سے علم وادب سکھا کر آزاد کر دیتا ہے، پھر وہ اس سے (باقاعدہ) نکاح کر لیتا ہے۔اس کے لیے دو اجر ہیں۔

(بخاری:۹۷،مسلم:۱۵۴/۲۴۱،دارالسلام:۳۸۷،مصابیح:۹)

فقہ الحدیث:

۱: اہل کتاب سے مراد یہود ونصاریٰ ہیں۔ان میں سے جو شخص بھی اپنے نبی پر سچا ایمان لائے۔اپنے ایمان کو شرک و کفر سے آلودہ نہ کرے اور آخری نبی سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی صدق دل سے ایمان لے آئے تو اللہ کے ہاں اس کے لیے دوگنا اجر ہے۔

۲: شریعت اسلامیہ میں جو مردوں کے احکام ہیں وہی عورتوں کے احکام ہیں الا یہ کہ تخصیص کی کوئی واضح اور مقبول دلیل موجود ہو،اس اصول کو مدنظر رکھتے ہوئے اہل کتاب کی اسلام قبول کرنے والی عورتیں بھی اسی حدیث کے حکم میں شامل ہیں۔

۳: اس حدیث کی تائید قرآن مجید کی آیت کریمہ سے بھی ہوتی ہے:﴿يَآ اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ﴾ اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کے رسول پر ایمان لے آؤ، وہ اپنی

رحمت سے تمہیں دوہرا اجر دے گا (سورۃ الحدید: ۲۸) آیت ﴿ اُولٰٓئِكَ يُؤْتَوْنَ اَجْرَهُمْ مَّرَّتَيْنِ ﴾ انہیں دوگنا اجر ملے گا (القصص: ۵۴) بھی اس کی مؤید ہے۔

۴: خوبصورت آواز والے سیدنا ابوموسیٰ عبداللہ بن قیس الاشعری رضی اللہ عنہ مہاجرین میں سے ہیں۔ آپ نے تریسٹھ (۶۳) احادیث بیان کی ہیں۔ آپ تریسٹھ سال کی عمر میں ۵۰ یا ۵۲ ہجری کو مکہ مکرمہ میں فوت ہوئے دیکھئے مرعاۃ المفاتیح (۵۴/۱) ومرقاۃ المصابیح (۱۵۲/۱)

۵: اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کے ساتھ اپنے آقا کی اطاعت کرنے والا غلام بھی دوہرے اجر کا مستحق ہے۔ اس حکم میں ہر وہ شخص شامل ہے جو کتاب وسنت کو مدنظر رکھتے ہوئے اپنے سربراہ اور افسر کی اطاعت کرتا ہے۔ تاہم یاد رہے کہ قرآن وحدیث کے مقابلے میں کسی شخص کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

۶: اس حدیث میں سیدنا محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانے کی زبردست فضیلت کا ذکر ہے، یاد رہے کہ سابق حدیث (۱۰) سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان نہ لانے والا جہنم میں داخل ہوگا۔ (الحدیث: ۹)

۷: ''یعنی ان کی زندگی کے تمام عملوں کے اجر دوسرے لوگوں سے دوگنے ہوں گے۔ اگر دوسرے لوگوں کو دس گنا اجر ملے گا تو ان کو بیس گنا ملے گا۔ اگر اُن کو سات سوگنا اجر ملے تو اِن کو چودہ سوگنا ملے گا۔ پہلے آدمی کو اس لیے کہ اس نے دو شریعتوں پر عمل کیا، پہلی کے وقت بھی اس کی نیت یہ تھی کہ یہ حق ہے میں ہمیشہ اس پر قائم رہوں گا۔ پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت سامنے آ گئی تو اس پر ایمان لایا پھر اس پر عمل کرتا رہا اور آخر تک کیا۔ دوسرے کو اس لیے کہ اس نے دو مالکوں کی اطاعت کی، ایک حقیقی مالک (اللہ) کی اور دوسرے مجازی مالک کی اور تیسرے کو اس لیے دوگنا اجر ہے کہ لونڈی اسی کی تھی حقوق زوجیت اس کو پہلے بھی حاصل تھے۔ پھر اس نے لونڈی کو علم سکھایا تہذیب سے روشناس کرایا۔ پھر آزاد کر کے اس کی حیثیت عرفی میں بہت کچھ اضافہ کر دیا۔ پھر خود اس سے شادی کر کے اس کو اس گھر کی مالکہ بنا دیا جس گھر میں وہ صرف ایک خدمت گزار کی حیثیت رکھتی تھی''

(مشکوۃ مترجم ومحشی: شیخ محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ ج ۱ ص ۱۲۳ طبع مکتبہ نعمانیہ لاہور)

۸: اس حدیث اور دیگر دلائل شرعیہ سے یہ ثابت ہے کہ غلاموں کو آزاد کرنا بڑے ثواب کا کام ہے۔

۹: مشکوۃ میں مذکور الفاظِ حدیث، امام بخاری کی کتاب الادب المفرد (۲۰۳) کی روایت سے مشابہ ہیں۔ یہ اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صاحب مشکوۃ کا رواہ البخاری یا رواہ مسلم وغیرہ کہنا اس بات کی دلیل نہیں کہ ہو بہو یہ الفاظ اسی کتاب میں ہیں۔ مراد یہ ہے کہ یہ روایت اپنے مفہوم کے ساتھ کتاب مذکور میں بایں الفاظ یا باختلاف الفاظ موجود ہے۔

۱۰: اس حدیث سے تعلیم نسواں کا ثبوت ملتا ہے، عورتوں کو تعلیم دینا (اور لکھائی پڑھائی سکھانا) دوسرے دلائل سے بھی

ثابت ہے بشرطیکہ(۱) یہ تعلیم کتاب وسنت کے خلاف نہ ہو(۲) مردوں کے ساتھ عورتوں کو بٹھا کرمخلوط تعلیم نہ ہو۔جس حدیث میں عورتوں کولکھائی سیکھنے سے منع کیا گیا ہے وہ جعفر بن نصر العنبر ی(کذاب) کی وجہ سے موضوع ہے دیکھئے الکامل لابن عدی(طبعۃ محققۃ۲/۳۹۵)والموضوعات لابن الجوزی(۲/۲۶۸)

کتاب المجروحین لابن حبان(۲/۳۰۲)وشعب الایمان للبیہقی(۲/۴۷۷ح ۲۴۵۴)والموضوعات لابن الجوزی(۲/۲۶۹) میں اس کی ایک دوسری سند ہے جو محمد بن ابراھیم الشامی(کذاب) کی وجہ سے موضوع ہے۔شعب الایمان(۲۴۵۳)میں عبدالوھاب بن الضحاک(کذاب)نے محمد بن ابراھیم الشامی کی متابعت کررکھی ہے،اس کے بارے میں حافظ ذہبی لکھتے ہیں:

'' بل موضوع ، و آفتہ عبد الوھاب ، قال أبو حاتم :کذاب '' (تلخیص المستدرک۲/۳۹۶ح ۳۴۹۴)

یہ موضوع روایات اس صحیح حدیث کے خلاف ہے جس میں آیا ہے کہ: شفاء بنت عبداللہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں: نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا:

'' ألا تعلمین ھذہ رقیۃ النملۃ کما علمتیھا الکتابۃ''

کیا تو اسے پھوڑے پھنسی کا دم نہیں سکھاتی جیسا کہ تو نے اسے (یعنی حفصہ رضی اللہ عنہا کو) لکھنا(پڑھنا) سکھایا ہے۔

(ابوداود : ۳۸۸۷ واحمد ۶/۳۷۲ح ۲۷۰۹۵ والطحاوی فی معانی الآثار۴/۳۲۶ وھو حدیث صحیح/تلخیص نیل المقصود ۴/۷۷۷)

اس صحیح روایت سے معلوم ہوا کہ عورتوں کا لکھائی پڑھائی سیکھنا جائز ہے۔والحمدللہ

مصنف: حافظ ضیاء الدین المقدسی مترجم: حافظ ندیم ظہیر

فضائلِ اعمال

امام ضیاء الدین المقدسی رحمہ اللہ (متوفی ۶۴۳ھ) کی کتاب ''فضائل اعمال'' کے خلاصے '' الصحیح المنتقی من فضائل الاعمال'' لأبی عبد الرحمن محمود کا اردو ترجمہ مع فوائد افادہ عام کے لیے ماہنامہ ''الحدیث'' میں سلسلہ وار شائع کیا جا رہا ہے۔ (ادارہ)

وضوء کی فضیلت

(۱) سیدنا عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس شخص نے اچھے طریقے سے وضوء کیا (تو) اس کے گناہ اس کے جسم سے نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس کے ناخنوں کے نیچے سے بھی نکل جاتے ہیں (صحیح مسلم: ۲۴۵)

فوائد:

اس فضیلت کے مستحق صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو وضوء میں احتیاط کے ساتھ ساتھ ''طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں جو کہ صحیح احادیث میں ثابت ہے۔ اور گناہوں سے مراد صغیرہ گناہ ہیں۔ کیونکہ کبیرہ گناہ سچی توبہ اور حق کی ادائیگی سے ہی معاف ہو سکتے ہیں۔

(۲) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب مسلمان (یا مومن) بندہ وضوء کرتا ہے (تو) جب وہ اپنے چہرے کو دھوتا ہے (تو) اس کے چہرے سے تمام وہ گناہ جس کا تعلق آنکھ سے ہوتا ہے، پانی سے (یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ) نکل جاتے ہیں، اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے (تو) اس کے دونوں ہاتھوں سے تمام وہ گناہ جن کا تعلق اس کے ہاتھوں سے ہوتا ہے، پانی سے (یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ) نکل جاتے ہیں۔ اور جب وہ اپنے پاؤں دھوتا ہے (تو) وہ تمام گناہ جن کا تعلق اس کے پاؤں کے ساتھ ہوتا ہے، پانی سے

(یا پانی کے آخری قطرے کے ساتھ) نکل جاتے ہیں۔ یہاں تک (کہ) وہ گناہوں سے بالکل پاک ہو جاتا ہے۔ (صحیح مسلم:۲۴۴)

فوائد:

وضوء کے پانی سے گناہ دھل جاتے ہیں لیکن ان گناہوں کو پانی کے ساتھ گرتے ہوئے دیکھا نہیں جا سکتا۔ جب کہ جناب زکریا صاحب تبلیغی دیوبندی لکھتے ہیں: ''جو حضرات اہل کشف ہوتے ہیں ان کو گناہوں کا زائل ہو جانا محسوس بھی ہو جاتا ہے چنانچہ حضرت امام اعظم رضی اللہ عنہ کا قصہ مشہور ہے کہ وضوء کا پانی گرتے ہوئے یہ محسوس فرما لیتے کہ کون سا گناہ اس میں دھل رہا ہے'' (فضائل نماز ص۱۴ تحت ح ۶) یہ سارا بیان بے سند و بے اصل ہے۔ امام ابوحنیفہ جنہیں قاضی ابویوسف اور محمد بن حسن الشیبانی کے مقابلہ میں ''امام اعظم'' کہا جاتا ہے، سے غیر ثابت و بے اصل بات کو بعض غالی مقلدین مزے لے لے کر بیان کرتے ہیں اور بات کا بتنگڑ بنا دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ غلو سے بچائے۔ آمین۔

(۳) عمرو بن عنبسہ رضی اللہ عنہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بیان کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو آدمی بھی وضوء کا پانی اپنے قریب پائے (تو) کلی کرے اور ناک میں پانی ڈالے اور ناک کو (اچھی) طرح جھاڑے (تو) اس کے چہرے، منہ اور ناک کے گناہ جھڑ جاتے ہیں، پھر جب وہ اپنا منہ دھوتا ہے، جس طرح اللہ (تعالیٰ) نے اسے (دھونے) کا حکم دیا ہے، (تو) اس کے چہرے کی غلطیاں اس کی داڑھی کے کناروں سے پانی کے ساتھ گر جاتی ہیں، پھر اپنے دونوں ہاتھ کہنیوں تک دھوتا ہے (تو) اس کے ہاتھوں کے گناہ اس کی انگلیوں سے پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں، پھر وہ اپنے سر کا مسح کرتا ہے تو اس کے سر کی خطائیں اس کے بالوں کے کنارے سے پانی کے ساتھ نکل جاتی ہیں۔ پھر وہ اپنے دونوں پاؤں ٹخنوں تک دھوتا ہے (تو) اس کے پاؤں کے گناہ اس کی انگلیوں سے پانی کے ساتھ نکل جاتے ہیں، پھر اگر وہ کھڑا ہوا اور نماز پڑھی، اللہ کی حمد و ثنا اور بزرگی اس انداز سے بیان کی جس کا وہ (اللہ) حق رکھتا ہے اور اپنے دل کو اللہ کے لیے فارغ کر دیا (تو) وہ گناہوں سے اس طرح پاک ہو جاتا ہے، جیسے اس وقت تھا جب اس کی ماں نے اسے جنا تھا (صحیح مسلم:۸۳۲)

فوائد:

اس حدیث میں جہاں وضوء کی فضیلت واضح ہو رہی ہے وہاں نماز میں خشوع و خضوع اختیار کرنا اور اپنے قلوب و اذہان کو خالص اللہ تعالیٰ کے لیے کرنے کی بھی فضیلت ہے۔

مشقت کے اوقات میں وضوء کی فضیلت

(۴) سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں تمہیں

ایسی چیز سے آگاہ نہ کروں جس سے اللہ تعالیٰ گناہوں کو مٹا دے گا اور درجات کو بلند کر دے گا (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) نے کہا: اے اللہ کے رسول ضرور بتایئے، آپ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے فرمایا: مشقت اور ناگواری کے باوجود (اچھے طریقے سے) مکمل وضوء کرنا، مسجدوں کی طرف زیادہ قدم چلنا اور نماز کے بعد (دوسری) نماز کا انتظار کرنا، پس یہی رباط ہے، پس یہی رباط ہے۔ (صحیح مسلم: ۲۵۱)

فوائد:

مشقت سے مراد سخت سردی وغیرہ میں کامل وضوء کرنا ہے۔ باوضوء ہو کر مسجد کی طرف جانا نہایت فضیلت والا عمل ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' من توضأ هكذا، غفرله ما تقدم من ذنبه ، و كانت صلاته و مشيه إلى المسجد نافلة ''

یعنی جس نے ''طریقہ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم'' کے مطابق وضوء کیا تو اس کے پہلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور اس کی نماز اور اس کا مسجد کی طرف چل کر جانے کا ثواب ایک زائد حصہ ہے (صحیح مسلم: ۲۲۹) مزید فرمایا: جس شخص نے اچھی طرح سے وضوء کیا پھر وہ (مسجد کی طرف) گیا اور اس نے لوگوں کو پایا کہ وہ نماز پڑھ چکے ہیں، تو اللہ اس کو اس شخص کے برابر ثواب عطا کرے گا جس نے باجماعت نماز ادا کی، اس سے ان کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی (ابوداؤد: ۵۶۴ واسنادہ حسن وصححہ الحاکم ۱/۲۰۸، ۲۰۹ ووافقہ الذہبی) ایک نماز سے دوسری نماز کے انتظار میں رہنا بھی ثواب اور رفع درجات کا باعث ہے۔

سرحدی چھاؤنی کو دشمن سے محفوظ رکھنے کے لیے وہاں پر پہرہ دینا ''رباط'' کہلاتا ہے۔ امام دمیاطی رحمہ اللہ کہتے ہیں: ''ان کاموں کو ''رباط'' اس لیے کہا گیا ہے کہ یہ کام لوگوں کو گناہوں اور نافرمانیوں سے باز رکھتے ہیں'' (المتجر الرابح: ۱/۵۹) اسی طرح نماز کے بعد دوسری نماز کے انتظار میں رہنے سے انسان اپنے نفس کی بری خواہشات سے محفوظ رہتا ہے۔

وضوء کے بعد گواہی (دعاء) کی فضیلت

(۵) سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم میں سے جو شخص وضوء کرے اور اچھے طریقے سے (پورا) وضوء کرے، پھر کہے

اَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّداً عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ (صحیح مسلم: ۲۳۴)

تو اس کے لیے جنت کے آٹھوں دروازے کھول دیئے جاتے ہیں وہ جس (دروازے) سے چاہے داخل ہو جائے اور ترمذی نے یہ الفاظ زیادہ روایت کیے ہیں: ''اللهم اجعلني من التوابين واجعلني من المتطهرين''

(سنن ترمذی:۵۵)

فوائد:

وضوء کے بعد مذکورہ دعا پڑھنا بہت زیادہ فضیلت کی حامل ہے۔لیکن واضح رہے دوران دعا آسمان کی طرف انگلی یا چہرے کو اٹھانا کسی صحیح حدیث سے ثابت نہیں ہے (سنن ابی داوٗد:۱۷۰) کی ایک روایت میں آسمان کی طرف نظر اٹھا کر دعاء پڑھنے کا ذکر ہے لیکن اس روایت کے متعلق فضیلۃ الشیخ استاذی حافظ زبیرعلی زئی لکھتے ہیں:

إسناده ضعيف ابن عم زهرة بن معبد " رجل مجهول "(أنوار الصحيفة:ص۱۲)

اعتراض: حافظ زبیرعلی زئی صاحب نے مذکورہ دعا'' **اللهم اجعلني** '' الخ کو ماہنامہ ''الحدیث ۹ ص ۳۲ پر ضعیف لکھا ہے جبکہ صلوۃ الرسول (جدید ایڈیشن) کے صفحہ ۲۹ پر حسن لکھا ہے۔

ازالہ: اس میں کوئی شک نہیں کہ مذکورہ دعا'' **اللهم اجعلني الخ** '' ضعیف ہے اور اس کی واضح دلیل ماہنامہ ''الحدیث'' اور شیخنا حافظ زبیرعلی زئی صاحب کی تحقیق سے شائع شدہ ریاض الصالحین طبع دار السلام ہے (دیکھئے: ۱۲۲/۲)

شیخ صاحب حفظہ اللہ لکھتے ہیں:'' **زيادة الترمذي ضعيفة** '' ایسے ہی شیخ صاحب کی تصنیف لطیف ''أنوار الصحيفة فى الأحاديث الضعيفة من السنن الأربعة مع الأدلة '' ص:۱۳۸ لکھتے ہیں:

'' **ضعيف بهذا اللفظ ـــ والحديث صحيح بدون الزيادة:اللهم اجعلني إلخ** ''

باقی رہا صلوۃ الرسول میں ''حسن'' لکھنا تو عرض ہے کہ کافی عرصہ پہلے صلوۃ الرسول کی تحقیق وتخریج کا فریضہ شیخ صاحب نے سرانجام دیا تھا تو اس وقت شواہد کی بنا پر ''حسن'' قرار دیا تھا لیکن جب شواہد بھی ضعیف ثابت ہو گئے تو تحقیق ثانی میں مذکورہ روایت کو ضعیف کہا لیکن ناشر نے بغیر مراجعت کروائے ہی اسے شائع کر دیا ہے اس لیے جدید ایڈیشن میں اس کی تصحیح نہیں ہو سکی (واللہ اعلم)

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اَنْتَ اَسْتَغْفِرُكَ وَاَتُوْبُ اِلَيْكَ بھی وضوء کے بعد پڑھنا ثابت ہے دیکھئے (السنن الکبریٰ للامام النسائی: ح ۹۹۰۹، وعمل الیوم واللیلۃ: ح ۸۰) اسے امام حاکم اور امام ذھبی رحمہم اللہ نے صحیح کہا ہے۔(مستدرک الحاکم:۵۶۴/۱ ح ۲۰۷۲)

امام ابن حجر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:'' **هذا حديث صحيح الإسناد** ''(نتائج الافکار:۲۴۵/۱)

اور واضح رہے کہ ابومجلز مدلس نہیں ہے دیکھئے فضیلۃ الشیخ استاذ حافظ زبیرعلی زئی حفظہ اللہ کی کتاب: الفتح المبین فی طبقات المدلسین (ص ۲۵) اور النکت علی کتاب ابن الصلاح (۶۳۷/۲، ۶۳۸)

توضیح الاحکام

حافظ زبیر علی زئی

محترم الاستاذ زبیر علی زئی صاحب

السلام علیکم: خیریت مطلوب! خیریت موجود

(۱) امام جلال الدین سیوطیؒ کی کتاب تاریخ الخلفاء میں ایک روایت از بزار سے منقول ہے کہ حضرت عمرؓ قیامت کے دن اللہ سے مصافحہ کریں گے اور اپنا سلام پیش کریں گے اور اللہ عزوجل حضرت عمرؓ کو ہاتھ سے پکڑ کر جنت میں داخل کریں گے۔

(۲) دوسری روایت بھی سیوطی صاحب کی کتاب سے منقول ہے کہ ہر نبی نے اپنے امتی کے پیچھے نماز پڑھی اور حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت آدمؑ نے کس کے پیچھے نماز پڑھی۔

(۳) حضورؐ سے منقول ہے کہ ابن عباسؓ نے خواب میں آپ کو دیکھا چہرہ گرد آلود ہے بال بکھرے ہوئے ہیں ہاتھ میں خون کی بوتل تھی حضرت عباسؓ نے پوچھا یا رسول اللہ یہ خون کی بوتل کیسی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا کہ میں مقتل حسین گاہ سے آرہا ہوں اور تمام دن حضرت حسینؓ اور ان کے خاندان کا خون اکٹھا کرتا رہا۔ (مظاہر حق جدید) صفحہ نمبر 793 امام بیہقی اور مسند احمد

مولانا صاحب کچھ شیعہ حضرات نے ان احادیث پر اعتراض کیا ہے اور ان کی اسناد کے صحیح ہونے پر شک کیا ہے آپ مہربانی فرما کر ہمیں قرآن وحدیث اور اسماء الرجال سے مطالعہ فرما کر ان کے راویوں کے بارے میں تحقیق و وضاحت تحریر فرمائیں۔

اگر یہ روایات صحیح ہیں تو بھی ان کے بارے میں مدلل تحریر کریں اور اگر ضعیف اور غریب ہیں تو ان کے ضعیف اور کمزور سند ہونے کی وجہ تحریر کریں۔

عابد حسین شاہ ولد ظہور شاہ

تحصیل میاں چنوں ضلع خانیوال

محلّہ سیداں جعفری نزد گوشت مارکیٹ بحوالہ حنیف قمر تلمبہ''

الجواب:

آپ کی مذکورہ روایات کی تحقیق درج ذیل ہے والحمد للہ

۱:   تاریخ الخلفاء للسیوطی میں لکھا ہوا ہے کہ:

'' **وأخرج ابن ماجه والحاكم عن أبي بن كعب قال: قال النبي عليه الصلوة والسلام: أول من يصافحه الحق عمر وأول من يسلم عليه وأول من يأخذ بيده فيدخل الجنة** '' (ص ۱۱۷)

ترجمہ: ابن ماجہ (۱۰۴) اور حاکم (۳/۸۴ ح ۴۴۸۹ نحوالمعنی) نے ابی بن کعب رضی اللہ سے روایت کیا ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا: الحق (یعنی اللہ) سب سے پہلے (قیامت کے دن) عمر سے مصافحہ کرے گا اور سب سے پہلے عمر پر سلام کرے گا اور سب سے پہلے عمر (رضی اللہ عنہ) کا ہاتھ پکڑ کر انہیں جنت میں داخل کرے گا۔

تحقیق: یہ روایت (سخت) ضعیف ہے۔ (انوار الصحیفۃ ص ۲۶۵)

ابن ماجہ والی سند کا ایک راوی داود بن عطاء ہے جس کے بارے میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں '' **ضعیف** '' (تقریب التھذیب: ۱۸۰۱) امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: '' **منكر الحديث** '' (کتاب الضعفاء: ۱۱۰ وتحفۃ الأقویاص ۳۹) احمد بن ابی بکر البوصیری (متوفی: ۸۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ: '' **قد اتفقوا على ضعفه** '' یعنی اس کے ضعیف ہونے پر اتفاق (یعنی اجماع) ہے۔

اس روایت کے بارے میں حافظ ابن کثیر لکھتے ہیں:

'' **هذاالحديث منكر جداً وما أبعد من أن يكون موضوعاً۔ إلخ** ''

یہ حدیث سخت منکر ہے بلکہ میرے نزدیک اس کا موضوع ہونا بعید از امکان نہیں ہے۔

(جامع المسانید ۱/۲۷ ح ۱۴۱ وشرح سنن ابن ماجہ للسندھی ۱/۵۲)

مستدرک الحاکم والی سند ضعیف ہے۔ اس کے راوی فضل بن جبیر الوراق کی توثیق نامعلوم ہے۔ حافظ العقیلی نے اسے کتاب الضعفاء میں ذکر کیا ہے۔ (۳/۴۴۴ ت ۱۴۹۲)

مستدرک والی روایت پر حافظ ذھبی نے شدید جرح کی ہے۔

الکامل لابن عدی (۷/۲۵۲۸) وتاریخ دمشق لابن عساکر (۴۷/۱۴۰) والعلل المتناھیۃ لابن الجوزی (۱/۱۹۲ ح ۳۰۹) میں اس کا ایک موضوع (من گھڑت) شاھد (تائید کرنے والی روایت) بھی ہے اس روایت میں قاضی وھب بن وھب ابوالبختری کذاب ہے اور محمد بن ابی حمید الانصاری ضعیف ہے۔

شیخ الالبانی رحمہ اللہ نے اس روایت کو '' **منكر جداً** '' قرار دیا ہے۔ (السلسلۃ الضعیفۃ ۵/۵۰۶ ح ۲۴۸۵)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت '' **أول من يصافحه الحق** '' إلخ اپنی تمام سندوں کے ساتھ ضعیف ومردود ہے۔

تنبیہ: بزاروالاحوالہ مجھے نہیں ملا واللہ اعلم

۲: حافظ سیوطی لکھتے ہیں کہ: " (الحادی عشر)حديث ماقبض نبي قط حتى يؤمه رجل من أمته ، البزار "

مفہوم: حدیث میں آیا ہے کہ: ایسا کوئی نبی بھی فوت نہیں ہوا جس نے اپنی وفات سے پہلے اپنے کسی امتی کے پیچھے نماز نہیں پڑھی (تاریخ الخلفاء ص ۸۸)

یہ روایت بزار (البحر الزخار ۱/۵۵ ح ۳، کشف الاستار ۳/۲۱۱ ح ۲۵۹۱) اور احمد بن حنبل (المسند ۱/۱۳ ح ۸۷) نے

" عاصم بن كليب قال: حدثني شيخ من قريش من بني تميم عن عبدالله بن الزبير عن عمر بن الخطاب عن أبي بكر الصديق رضي الله عنهم" إلخ کی سند سے بیان کی ہے۔

یہ سند ضعیف ہے (تحقیق احمد شاکر ۱/۱۹۷ نیز دیکھئے الموسوعۃ الحدیثیۃ/تحقیق مسند الامام احمد ۱/۲۴۰)

اس کا راوی شیخ مجہول ہے۔ مجہول راوی کی بیان کردہ حدیث ضعیف ہوتی ہے الا یہ کہ اس کی تائید ومتابعت کسی دوسری صحیح یا حسن روایت سے ہو جائے۔

دوسری سند: ابونعیم الاصبہانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

" حدثنا أبو محمد بن حيان :ثنا أبو صالح عبدالرحمن بن أحمد الزهري الأعرج :ثنا إبراهيم بن أحمد النابتي:ثنا علي بن الحسن بن شفيق :ثنا أبو حمزة السكري عن عاصم بن كليب عن عبدالله بن الزبير :ثنا عمر بن الخطاب عن أبي بكر الصديق رضي الله عنهم قال:سمعت النبي صلى الله عليه وسلم يقول:مابعث الله نبياً إلا وقد أمه بعض أمته " (اخبار اصبہان ۲/۱۱۴)

یہ روایت تین وجہ سے ضعیف ہے۔

اول: عاصم بن کلیب اور عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہ کے درمیان مجہول شیخ کا واسطہ گر گیا ہے۔ مجہول شیخ کے واسطے والی روایت " المزيد في متصل الأسانيد " کے باب سے ہے۔

دوم: عبدالرحمٰن بن احمد الاعرج مجہول الحال ہے۔

سوم: ابراہیم بن احمد النابتی کی توثیق نامعلوم ہے دیکھئے الضعيفة للمحدث الكبير الألباني رحمه الله (۱۳/۵۳۳ ح ۶۲۴۶)

خلاصہ یہ ہے کہ یہ روایت اپنی دونوں سندوں کے ساتھ ضعیف ہے لہٰذا یہ سوال کہ '' آدم علیہ السلام نے کس کے پیچھے (نماز) پڑھی؟'' کسی جواب کا محتاج نہیں ہے۔

تنبیہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک دن (کسی شرعی عذر کی وجہ سے) نماز پڑھنے والی جگہ دیر سے آئے تو عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ کے پیچھے نماز پڑھی اور اپنی فوت شدہ رکعت کو بعد میں دہرالیا۔ دیکھئے صحیح مسلم کتاب الطهاره، باب المسح على الناصية والعمامه (۲۷۴/۸۱) وسنن ابن ماجه كتاب اقامة الصلوة باب ماجاء فى صلوة رسول الله ﷺ خلف رجل من أمته (ح۱۲۳٦)

یاد رہے کہ نبی ﷺ کی موجودگی میں دوسرا شخص امام نہیں ہوسکتا، جو شخص آپ کی غیر حاضری میں نماز پڑھا رہا تھا وہ اس حکم سے مستثنیٰ ہے۔

۳: یہ روایت مظاہر حق قدیم (ج ۵ ص ۳۸۷) ومشکوۃ المصابیح (ح ٦١٧٢) میں بحوالہ دلائل النبوۃ للبیہقی (٦/٤٧١) ومسند احمد (۲۴۲/۱ ح ۲۱٦۵) مذکور ہے۔

'' وعن ابن عباس أنه قال: رأيت النبي ﷺ فيما يرى النائم ذات يوم بنصف النهار أشعث أغبر ، بيده قارورة فيهادم ، فقلت بأبي أنت وأمي ماهذا؟قال: هذا دم الحسن وأصحابه، لم أزل ألتقطه منذ اليوم ، فأحصي ذلك الوقت فأجد قتل ذلك الوقت''

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ: میں نے ایک دن دوپہر کو نبی ﷺ کو خواب میں دیکھا، آپ کے بال بکھرے ہوئے اور گرد آلودہ ہیں۔ آپ کے ہاتھ میں خون کی ایک بوتل ہے۔ میں نے کہا: میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، یہ کیا ہے؟ (یعنی آپ کی یہ حالت اور خون کی بوتل یا پیالہ کیوں ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ حسین (رضی اللہ عنہ) اور اس کے ساتھیوں کا خون ہے، اسے میں (قتل گاہ حسین میں) صبح سے اکھٹا کر رہا ہوں۔

(ابن عباس نے) فرمایا: پھر میں نے اس (خواب کے) وقت کو یاد رکھا تو معلوم ہوا کہ اسی وقت (اور دن) وہ (حسین رضی اللہ عنہ) شہید ہوئے تھے۔

اسے احمد (المسند ۲۴۲/۱ ح ۲۱٦۵، ۲۸۳/۱ ح ۲۵۵۳ کتاب فضائل الصحابۃ ۷۷۹/۲ ح ۱۳۸۱) طبرانی (الکبیر ۱۱۰/۳ ح ۲۸۲۲، ۱۸۵/۱۲ ح ۱۲۸۳۷) حاکم (۳۹۷/۴، ۳۹۸ ح ۸۲۰۱) بیہقی (دلائل النبوۃ ٦/٤٧١) اور ابن عساکر (تاریخ دمشق ۲۲۸/۱۴) نے حماد بن سلمۃ عن عمار بن ابی عمار عن ابن عباس کی سند سے روایت کیا ہے۔ اسے امام حاکم و ذہبی دونوں نے صحیح مسلم کی شرط پر صحیح قرار دیا ہے۔ حافظ ابن کثیر الدمشقی نے کہا: '' تفرد به أحمد وإسناده قوي'' اسے (کتب سبعہ میں سے) صرف احمد نے روایت کیا ہے اور اس کی سند قوی ہے (البدایۃ والنہایۃ ۲۰۲/۸)

شیخ وصی اللہ بن محمد عباس المدنی المکی فرماتے ہیں:

'' إسناده صحيح '' اس کی سند صحیح ہے۔ (تحقیق فضائل الصحابۃ ۷۷۹/۲)

حماد بن سلمہ:

آپ صحیح مسلم وسنن اربعہ کے مرکزی راوی ہیں مثلاً دیکھئے صحیح مسلم ج۱ص۵٦ ح۱۱۰/۵۹ وترقیم دارالسلام:۲۱۴، وج۱ ص۵۷ ح۱۸۷/۱۱۹ وج۱ص۹۱ ح۲۵۹/۱٦۲ وغیرہ، حماد بن سلمہ پر جرح مردود ہے۔

امام یحییٰ بن معین نے کہا:'' حماد بن سلمه ثقة '' حماد بن سلمہ قابل اعتماد راوی ہیں۔

(الجرح والتعدیل ۱۴۲/۳ وسندہ صحیح) نیز دیکھئے تاریخ الدارمی:۳۷ وسوالات ابن الجنید:۱۷۲ و قال ثقة ثبت

العجلی المعتدل نے کہا: ''بصري ثقة، رجل صالح ، حسن الحديث '' (التاریخ بترتیب الھیثمی والسبکی:۳۵۴)

یعقوب بن سفیان الفارسی یا حجاج (بن منہال) نے کہا:'' وهو ثقة '' (کتاب المعرفۃ والتاریخ ۲/۲٦۱)

اسے درج ذیل محدثین نے بھی ثقہ وصحیح کہا ہے۔

۱: احمد بن حنبل (سوالات ابن ھانئ:۲۱۳۰، ۲۱۳۱ وموسوعۃ أقوال الإمام أحمد بن حنبل ۲۹۹/۱)

۲: ابن حبان (کتاب الثقات ۲۱٦/٦ وصحیح ابن حبان الاحسان:۱۴، ۲۲، ۵۰۔۔۔)

۳: ابن شاھین (ذکر من اختلف العلماء ونقاد الحدیث فیہ ص۴۱)

۴: الترمذی (۲۷، ۳۰۷، ۱۲۳۸۔۔۔)

۵: ابن الجارود (۴٦، ۱۰۷، ۱۲۴۔۔۔)

٦: الحاکم (۲/۲۰۸ ح۲۰۵۴ وغیرہ)

۷: ابن خزیمہ (۲۰۸/۱ ح۴۰۰ وح۳٦۰، ۱۴۱۲)

۸: الساجی:'' كان حافظاً ثقة مامونا '' (تھذیب التھذیب ۱۵/۳) وغیرہم

حافظ ذہبی لکھتے ہیں کہ:''الإمام الحافظ شيخ الاسلام '' (تذکرۃ الحفاظ ۲۰۲/۱ ت ۱۹۷)

'' ولم ينحط حديثه عن رتبة الحسن'' اوراس کی حدیث حسن کے درجے سے نہیں گری ہے۔

(سیر اعلام النبلاء ۴۴٦/۷)

حافظ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں: '' ثقة عابد أثبت الناس فى ثابت ، وتغير حفظه بأخرة ''

ثقہ عابد تھے، ثابت (البنانی) سے روایت کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ ثقہ ہیں، آپ کا حافظہ آخری عمر میں متغیر ہو گیا تھا۔(تقریب التھذیب:۱۴۹۹)

حماد بن سلمہ سے روایت مذکورہ درج ذیل محدثین نے بیان کی ہے۔

۱: عبدالرحمٰن بن مھدی (احمد ۲۴۲/۱)

۲: عفان (احمد ۱/۲۸۳)

۳: الحسن بن موسیٰ الاشیب (الحاکم فی المستدرک ۲/۷ ۳۹) وغیرہم

حماد بن سلمہ سے عبدالرحمٰن بن مھدی، عفان اور حسن بن موسیٰ کی روایات صحیح مسلم میں بطورِ حجت موجود ہیں۔ (تھذیب الکمال رموسسۃ الرسالۃ ۲/۸ ۲۷ وصحیح مسلم ۷ ۲۹/ ۱۸۱ دار السلام: ۴۴۹، ۷ ۳۴ ۳/۲۰۳، سلام: ۵۰۰، ۷ ۱۸/ ۱۱۹ اسلام: ۳۱۴)

صحیحین میں جس مختلط و متغیر الحفظ راوی سے استدلال کیا گیا ہے اس کی دلیل ہے کہ مذکورہ روایات قبل از اختلاط کی ہیں دیکھئے مقدمۃ ابن الصلاح (ص ۴۶۲ دوسرا نسخہ ۴۹۹)

خلاصہ یہ کہ روایت مذکورہ پر اختلاط کی جرح مردود ہے کیونکہ یہ اختلاط و تغیر سے پہلے کی ہے والحمدللہ

نتیجہ: یہ روایت صحیح (یا حسن لذاتہ) ہے۔ (۲ فروری ۲۰۰۵ء)

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انتہائی محترم، حافظ زبیر علی زئی صاحب!

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ان شاء اللہ آپ بخیر و عافیت ہوں گے۔ گزشتہ خطوط میں آپ سے چند مسائل پر تفصیلی گفتگو ہوئی اور بالآخر آپ کی تحقیق پر دل مطمئن ہوا کیونکہ مقامی علماء جن کو ان مسائل میں آپ کی تحقیق سے تعارض تھا آپ کے سوالات کے جواب نہ دے سکے۔ فالحمدللہ

مہربانی کر کے میرے چند سوالوں کے جواب دیجئے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو جزا دے۔''

سوال نمبرا: جمہور ائمہ محدثین، مرسل روایت کو احکام و مسائل میں معتبر گردانتے ہیں یا ضعیف سمجھتے ہیں۔ نیز کیا جمہور محدثین میں، محدثین احناف بھی شامل ہیں؟

الجواب:

جمہور محدثین کے نزدیک تابعی کی مرسل روایت ہر لحاظ سے مردود ہے۔ امام مسلم بن الحجاج النیسابوری (متوفی ۲۶۱ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

" والمرسل من الروايات فی أصل قولنا وقول أهل العلم بالأخبار ليس بحجة "

ہمارے (محدثین) کے اصل قول اور (دوسرے) علماء کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہے۔

(مقدمه صحيح مسلم ج ۱ ص ۲۲ بعد ح : ۹۲ و فتح الملهم ج ۱ ص ۴۱۰)

حافظ ابوالفضل عبدالرحیم بن الحسین العراقی (متوفی ۸۰۶ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' ورده جماهير النقاد للجهل بالساقط في الإسناد ''
اور مرسل کو جمہور ناقدین (محدثین) نے رد کر دیا ہے۔ وجہ یہ ہے کہ سند میں سے ساقط شدہ واسطہ مجہول ہوتا ہے۔
(ألفية العراقي مع فتح المغيث ج ١ ص ١٣٤)
علامہ ابن الصلاح الشہر زوری (متوفی ۶۴۳ھ) لکھتے ہیں:
'' وما ذكرناه من سقوط الاحتجاج بالمرسل والحكم بضعفه هو المذهب الذي استقر عليه آراء جماهير حفاظ الحديث ونقاد الأثر ''
اور ہم نے جو ذکر کیا ہے کہ مرسل ضعیف ہوتی ہے اور اس سے حجت پکڑنا ساقط ہے، یہی وہ مذہب (یعنی مسلک) ہے جس پر جمہور حفاظ حدیث اور ناقدین حدیث کا اتفاق ہوا ہے۔
(علوم الحديث مع التقييد والايضاح ص ٧٤ ونسخه محققه ص ١٣٠)
امام ترمذی (متوفی ۲۷۹ھ) فرماتے ہیں کہ:
'' والحديث اذا كان مرسلاً فانه لا يصح عند أكثر أهل الحديث ''
اور حدیث اگر مرسل ہو تو اکثر اہل حدیث (یعنی جمہور محدثین) کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔
(كتاب العلل ط دار السلام ص ٨٩٦، ٨٩٧ و شرح علل الترمذي لابن رجب ٢٧٣/١)
حافظ ابوبکر الخطیب البغدادی (متوفی ۴۶۳ھ) رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ:
'' وعلى ذلك أكثر الأئمة من حفاظ الحديث ونقاد الأثر''
اور اس پر (یعنی مرسل حجت نہیں ہے) اکثر ائمہ حفاظ حدیث اور ناقدین حدیث ہیں۔
(الكفاية في علم الرواية ص ٣٨٤)
حافظ متقن علامہ ابن خلفون الاندلسی (متوفی ۶۳۶ھ) اپنی کتاب ''المنتقی فی الرجال'' میں لکھتے ہیں:
'' ولا اختلاف أعلمه بينهم أنه لا يجوز العمل بالمرسل إذا كان مرسله غير محترز، يرسل عن غير الثقات ''
اس بات میں مجھے کوئی اختلاف معلوم نہیں ہے کہ اگر ارسال کرنے والا محتاط نہ ہو اور غیر ثقہ راویوں سے روایت کرے تو مرسل پر عمل جائز نہیں ہے۔ (النكت على مقدمة ابن الصلاح للزركشي ص ١٥٨)
حافظ یحییٰ بن شرف النووی (متوفی ۶۷۶ھ) فرماتے ہیں:
''ثم المرسل حديث ضعيف عند جماهير المحدثين وكثير من الفقهاء وأصحاب الأصول ''
پھر یہ کہ مرسل حدیث جمہور محدثین، بہت سے فقہاء اور علمائے اصول کے نزدیک ضعیف حدیث ہے۔

(تقرب النووی مع تدریب الراوی ج ۱ ص ۱۹۸)
ان نقولِ علماء کے مقابلے میں ''رسالہ ابی داود الی اھل مکہ فی وصف سننہ'' میں لکھا ہوا ہے کہ:
'' وأماالمراسیل فقد کان یحتج بھا العلماء فیما مضی مثل سفیان الثوری''
اور مراسیل سے اگلے علماء حجت پکڑتے تھے جیسے سفیان ثوری۔ (رسالہ ابی داود ص ۲۵)
اسے عبدالحئ لکھنوی حنفی (متوفی ۱۳۰۴ھ) نے '' وأما المراسیل فقد کان أکثر العلماء یحتجون بھا فیما مضی مثل سفیان الثوری'' (ظفر الأمانی فی مختصر الجرجانی ص ۳۸۴، ۳۸۵) کے الفاظ میں نقل کیا ہے۔
تنبیہ: اکثر العلماء کا لفظ رسالہ ابو داود میں موجود نہیں ہے۔ نیز دیکھئے النکت لابن حجر (۵۶۸/۱)
ایسی نقول پر تبصرہ کرتے ہوئے حافظ زرکشی (متوفی ۷۹۴ھ) لکھتے ہیں:
''وینبغی أن یکون مرادھم أکثر أھل الأصول''
اور اس کی مراد یہ لینی چاہیے کہ اکثر اہلِ اصول (واہلِ فقہ) مراد ہیں۔ (النکت للزرکشی ص ۱۵٦)
اس سلسلے میں ابن جریر طبری کا ایک مردود و باطل قول بھی ہے، اس کی تردید کے لیے النکت علی مقدمۃ ابن الصلاح للحافظ ابن حجر (۵۶۸/۱) وغیرہ دیکھیں۔
حافظ العلائی (متوفی ۷٦۱ھ) اس پر (یعنی ابن جریر سے منسوب قول پر) تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں:
''ان دعوی الاجماع فی ذلك باطل قطعاً'' (جامع التحصیل فی أحکام المراسیل ص ٦٨)
اس (مرسل کی حجیت) کے بارے میں دعویٰ اجماع یقیناً باطل ہے۔
خلاصہ یہ کہ صحابہ کی مراسیل روایات تو قطعاً مقبول ہیں لیکن تابعین کی مرسل روایات جمہور محدثین کے نزدیک ضعیف و غیر مقبول ہیں۔
محدثین احناف میں سے امام ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ھ) کے نزدیک مرسل روایت حجت نہیں ہے۔ حافظ طحاوی (متوفی: ۳۲۱ھ) کے بارے میں طحاوی حنفی کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ امام ابوحنیفہ منقطع (یعنی) مرسل روایت کو حجت نہیں سمجھتے، دیکھئے شرح معانی الآثار ج ۲ ص ۱٦٤ کتاب السیر باب الرجل یسلم فی دار الحرب وعندہ أکثر من أربع نسوۃ
حافظ طحاوی حنفی محدثین کے بارے میں لکھتے ہیں:
'' وھم لا یحتجون بالمرسل ''
اور وہ مرسل کو حجت نہیں مانتے۔ (معانی الآثار ٦/٢ کتاب النکاح، باب النکاح بغیر ولي عصبة)

حافظ ابن عبدالبر الاندلسی (متوفی ۴۶۳ھ) کے کلام کا خلاصہ یہ ہے کہ (مرسل کو حجت سمجھنے والے) حنفی و مالکی حضرات مناظروں میں مرسل کو حجت نہیں سمجھتے۔ دیکھئے التمھید (ج ۱ ص ۷)

ابن حزم الاندلسی (متوفی ۴۵٦ھ) نے ان لوگوں پر سختی سے رد کیا ہے جو مرسل کو حجت تسلیم کرنے کے بعد خواہشاتِ نفسانیہ کے لیے اسے رد کر دیتے ہیں دیکھئے المحلی (ج ۲ ص ۱۲ مسئلہ ۱۷۸)

سوال نمبر۲: آپ کا کسی مسئلہ پر اجماع کا حکم لگانا، پوری امت مسلمہ کا کلی اجماع ہے یا یہ چند محدثین کا اجماع ہے؟

الجواب:

اجماع سے مراد تمام اہلِ حق، اہلِ سنت مسلمانوں کا اجماع ہے، جس میں محدثین وفقہاء وغیرہم سب شامل ہیں۔

سوال نمبر۳: کیا کسی روایت پر صحیح، حسن یا ضعیف کا حکم لگانا، مبنی براجتہاد ہے؟

جیسا کہ مولانا یوسف لدھیانوی نے ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' میں امام ابن تیمیہؒ کے حوالہ سے اس بات کی توثیق کی ہے اور نتیجہ یہ نکالا ہے کہ ائمہ ومحدثین کے مابین اختلاف دراصل اسی اجتہاد کی وجہ ہے۔ یعنی کوئی امام یا محدث کسی روایت کو صحیح کہتا ہے تو دوسرا اس کو ضعیف کہتا ہے۔ ایک حسن کہتا ہے تو تیسرا صحیح وغیرھما۔۔۔

الجواب:

صحیح یا ضعیف روایات دو قسم کی ہیں:

اول: ان کے صحیح یا ضعیف ہونے پر اجماع ہے۔

حافظ ابوحاتم الرازی (متوفی ۲۷۷ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

'' واتفاق أهل الحديث على شيءٍ يكون حجة''

اور اہلِ حدیث (محدثین) کا کسی چیز پر اتفاق کرنا حجت ہوتا ہے۔

(كتاب المراسيل ص ۱۹۲ ت ۷۰۳ ترجمة محمد بن مسلم الزهرى)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ الحرانی (متوفی ۷۲۸ھ) رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

''فإذا اجتمع أهل الفقه على القول بحكم لم يكن إلا حقاً وإذا اجتمع أهل الحديث على تصحيح حديث لم يكن إلا صدقاً''

پس فقہاء کسی قول پر اجماع کر لیں تو یہ حق ہی ہوتا ہے اور اگر محدثین کسی حدیث کی تصحیح پر اجماع کر لیں تو یہ حدیث (یقیناً) سچی ہی ہوتی ہے۔ (مجموع فتاوی ج ۱ ص ۹، ۱۰)

معلوم ہوا کہ اجماعی حدیث کو ماننا اجتہادی مسئلہ نہیں ہے بلکہ اجماع کی پیروی ہے۔

دوم: وہ حدیث جس کے صحیح یا ضعیف ہونے پر اختلاف ہے۔ اس میں جمہور کی تحقیق کو ترجیح دینا اجتہادی مسئلہ ہے۔

یادر ہے کہ جس اصول کو بھی اختیار کیا جائے پھر اس پر عمل ضروری ہے ورنہ قول وفعل میں تضاد کا دوسرا نام منافقت ہے۔

تنبیہ(۱): عبدالوھاب بن علی السبکی (متوفی ۷۷۱ھ) لکھتے ہیں:

'' **أن عدد الجارح إذا كان أكثر قدم الجرح اجماعاً** ''

بے شک اگر جارحین کی تعداد زیادہ ہوتو بالا جماع جرح مقدم ہوتی ہے (قاعدۃ فی الجرح والتعدیل ص ۵۰)

اس سے معلوم ہوا کہ جس راوی کو جمہور محدثین مجروح سمجھیں تو متاخرین کے نزدیک یہ راوی مجروح ہی ہوتا ہے۔

حدیث کے صحیح یا ضعیف ہونے پر اختلاف اجتہادی ہے مگر اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حنفی حضرات اپنے مطلب کی حدیث کو صحیح اور دوسروں کی حدیث کو ضعیف کہہ کر کام چلا لیں۔ اس میں بھی راجح یہی ہے کہ ائمہ محدثین کی اکثریت جس طرف ہے اسے ہی ترجیح دی جائے گی۔

تنبیہ(۲): صاحبِ ''اختلاف امت اور صراط مستقیم'' کی پارٹی والے لوگ صحیحین کی تلقی بالقبول والی اجماعی احادیث کو رد کر کے اپنے اکابر کے افعال واقوال کو ترجیح دیتے ہیں مثلاً دیکھئے ارشاد القاری ص ۴۱۲ تصنیف: رشید احمد لدھیانوی

سوال نمبر۴: مجھے ابھی تک اس بات کی سمجھ نہیں آتی کہ جب ''علم الرجال'' پوری طرح مرتب و مدون ہو چکا ہے اور اب اس میں نہ کوئی کمی اور نہ ہی بیشی ہو سکتی ہے تو پھر آج اتنا اختلاف کیوں ہے ہر مسلک کے علماء کا بلکہ ایک ہی مسلک کے علماء کا ایک ہی روایت پر حکم مختلف کیوں ہوتا ہے۔ اگر کوئی روایت حقیقتاً ضعیف ہے تو اس کا ضعف ''علم الرجال'' کی کتب میں مفصلاً موجود ہے اور اسی طرح صحیح اور حسن کا۔ اس کے باجود مختلف مسالک کے علماء میں جرح وتعدیل، ردو قدح اور رد وقبول میں اتنا ہیر پھیر کیوں ہے۔ بس ذرا اس کو واضح طور پر سمجھا دیں۔

الجواب:

اختلاف کی وجہ تقلید ہے۔

مثال اول: انور شاہ کشمیری دیوبندی صاحب ایک حدیث کو قوی تسلیم کر کے چودہ سال اس کا جواب سوچتے رہے دیکھئے درس ترمذی (ج۲ص۲۲۴) والعرف الشذی ومعارف السنن وفیض الباری (ج۲ص۳۷۵)

مثال دوم: رشید احمد لدھیانوی دیوبندی صاحب لکھتے ہیں کہ:

''معہذا ہمارا فتوی اور عمل قول امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مطابق ہی رہے گا اس لیے کہ ہم امام رحمہ اللہ تعالیٰ کے مقلد ہیں اور مقلد کے لیے قول امام حجت ہوتا ہے نہ کہ ادلۂ اربعہ کہ ان سے استدلال وظیفہ مجتہد ہے'' (ارشاد القاری الی صحیح البخاری ص ۴۱۲)

مثال سوم: محمود الحسن دیوبندی نے فرمایا:

'' **الحق والإنصاف أن الترجيح للشافعي فى هذه المسئلة ونحن مقلدون يجب علينا تقليدإمامنا**

أبي حنيفة ''
حق اور انصاف یہ ہے کہ اس مسئلے میں شافعی کو ترجیح حاصل ہے اور ہم مقلد ہیں ، ہم پر ہمارے امام ابوحنیفہ کی تقلید واجب ہے (التقریر للترمذی ص ۳۶)
مثال چہارم: قاری رحمت دین دیوبندی نے حضرو میں میرے سامنے کہا تھا کہ:
'' اگر تم دو سو حدیثیں رفع یدین کے بارے میں پیش کرو تو میں نہیں مانتا ''
یہ ہے اصل سبب جس کی وجہ سے مرضی کی حدیث کو صحیح اور مخالف کی حدیث کو ضعیف قرار دیا جاتا ہے۔
مثال اول: علی محمد حقانی دیوبندی نے اپنی مرضی والی حدیث میں یزید بن ابی زیاد کو ثقہ اور مرضی کے خلاف والی حدیث میں یزید بن ابی زیاد کو ضعیف قرار دیا ہے۔ دیکھئے نبوی نماز ، سندھی ج ا ص ۳۵۵ و ص ۱۶۹
مثال دوم: امین اوکاڑوی دیوبندی نے مرضی والی حدیث میں عطاء بن ابی رباح کو دو سو صحابہ سے ملاقات کا اعتراف کیا ہے اور مرضی کے خلاف حدیث میں عطاء بن ابی رباح کی دو سو صحابہ سے ملاقات کا انکار کر دیا ہے، دیکھئے مجموعہ رسائل طبع ۱۹۹۱ء ج ا ص ۲۶۵ (نماز جنازہ میں سورۃ فاتحہ کی شرعی حیثیت ص ۹) اور ج ا ص ۱۵۶ (تحقیق مسئلہ آمین ص ۴۴)
سوال نمبر ۵: بعض علماء، نماز شروع کرنے کی دعا، **سبحانك اللهم و بحمدك** ۔۔۔ **الخ** کو ضعیف کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ صرف، **اللهم باعد بيني** ۔۔ **الخ** (البخاری) پڑھنی چاہیے پہلی دعا واقعی ضعیف ہے جبکہ ہر نماز کی کتاب میں یہی دعا لکھی ہوتی ہے۔

الجواب:

''**سبحانك اللهم و بحمدك** '' والی روایت بلحاظِ سند حسن لذاتہ ہے، ضعیف نہیں ہے بلکہ شواہد کی وجہ سے صحیح لغیرہ ہے۔ دیکھئے سنن ابی داود (۷۷۵) بتحقیق الالبانی وقال: ''**صحيح** ''
میں نے نیل المقصود میں لکھا ہے کہ '' **و إسناده حسن** ''
اللهم باعد بيني والی روایت صحیحین میں ہے اور یہ سنن میں ہے۔ دونوں روایتوں میں سے جس پر بھی عمل کیا جائے باعثِ ثواب ہے۔ ان شاءاللہ
سوال نمبر ۶: بریلوی مولوی اپنی مروجہ بدعات کو ثابت کرنے کے لیے درج ذیل دلائل پیش کرتے ہیں۔
۱۔ حضرت عمرؓ کا تراویح کی جماعت کا حکم دینا اور فرمانا '' **نعمت البدعة هذه** '' ''یہ ایک اچھی بدعت ہے۔'' لہذا اچھی بدعت جائز ہے۔
۲۔ مرقاۃ باب الاحکام میں حدیث ہے: ''جس کام کو مسلمان اچھا جانیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے''
۳۔ مشکوۃ باب العلم میں ہے: ''جو کوئی اسلام میں اچھا طریقہ جاری کرے گا اس کو اس کا ثواب ملے گا اور اس کو بھی جو

اس پر عمل کریں گے اوران کے ثواب میں کچھ کمی نہ ہوگی۔ اور جو شخص اسلام میں برا طریقہ جاری کرے گا تو اس پر اس کا گناہ بھی ہے اوراس کا بھی جو اس پر عمل کریں گے اوران کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی''

آپ ذرا ان دلائل کا پوسٹ مارٹم کردیں۔ جزاکم اللہ

سوال نمبر۷: ''بدعت حسنہ'' اور'' بدعت سیئہ'' کی تقسیم درست ہے؟؟ جبکہ حضرت عمرؓ کا عمل وقول موجود ہے یعنی تراویح کی جماعت کا حکم اورفرمانا'' **نعمت البدعة هذه** '' ''یہ ایک اچھی بدعت ہے'' اوررسول اللہ ﷺ نے فرمایا '' **و كل بدعة ضلالة** '' ''ہر بدعت گمراہی ہے''

الجواب:(۶)و(۷)

'' **نعمت البدعة هذه** '' سے مراد بدعت شرعی نہیں بلکہ بدعت لغوی ہے دیکھئے منہاج السنۃ لشیخ الاسلام ابن تیمیہ ومرعاۃ المفاتیح (۴/۳۲۷ ح ۱۳۰۹) یہی تحقیق شاطبی اورابن رجب کی ہے۔

یادرہے کہ تراویح کی جماعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قولاً اورفعلاً دونوں طرح ثابت ہے۔

سیدنا ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی قول '' **ما رآه المسلمون حسناً فهو عند الله حسن** '' میں المسلمون سے مراد تمام (صحیح العقیدہ) مسلمان ہیں۔ لہذا یہ حدیث اجماع کی دلیل ہے۔

'' **من سن سنة حسنة** '' الخ سے مراد طریقہ جاری کرنا ہے، طریقہ گھڑنا اورایجاد کرنا نہیں ہے۔ جو طریقہ سنت سے ثابت ہے اسے جاری کرنے میں ہی ثواب ہے۔ والحمدللہ

سوال نمبر۸: ہاتھ اٹھا کر دعا کرنا اورہتھیلیوں کو چہرے پر پھیرنا کسی صحیح حدیث سے ثابت ہے؟ کیا دعا میں ہاتھ اٹھانا دعا کی قبولیت کا سبب ہے؟

الجواب:

دونوں ہاتھ اٹھا کر منہ پر پھیرنا سیدنا عبداللہ بن عمر اورسیدنا عبداللہ بن الزبیر رضی اللہ عنہما سے موقوفاً ثابت ہے، دیکھئے الادب المفرد للبخاری (۶۰۹)

اس روایت کی سند حسن لذاتہ ہے' اس پر شیخ البانی رحمہ اللہ وغیرہ کی جرح مردود ہے' والحمدللہ

سوال نمبر۹: عبدالعزیز بن باز اور بہت سے سلفی علماء کا فتوی ہے کہ مقتدی کا امام کو رکوع میں پالینا، پوری رکعت پالینا ہے۔ جبکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے کہ ''سورۃ فاتحہ کے بغیر کوئی نماز نہیں'' (بخاری)

الجواب:

اس سلسلے میں راجح یہی ہے کہ رکوع والی رکعت' جس میں سورۃ فاتحہ نہ پڑھی جائے' نہیں ہوتی۔ تحقیق کے لیے دیکھئے '' **اتمام الخشوع باحكام مدرك الركوع** '' تصنیف شیخ محمد یونس قریشی دھلوی رحمہ اللہ' مطبوعہ: مکتبہ اہل حدیث

ٹرسٹ کورٹ روڈ کراچی۔
شیخ الاسلام عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ وغیرہ کی یہ تحقیق کہ ''رکعت ہو جاتی ہے'' مرجوح ہے۔
ابوبکرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث میں یہ صراحت نہیں ہے کہ انہوں نے وہ رکعت شمار کر لی تھی یا مدرکِ رکوع ہونے کے لیے جھکتے ہوئے صف میں شامل ہوئے تھے۔
تنبیہ: ایک روایت میں آیا ہے کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: '' **خشيت أن تفوتني ركعة معك فأسرعت المشي** '' مجھے یہ ڈر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ میری رکعت فوت ہو جائے گی' پس اس لیے میں تیز تیز چل کر آیا ہوں۔ (جزء القراءۃ للبخاری: ۱۹۵)
اس کی سند ضعیف ہے۔ اس کا راوی ابوخلف عبداللہ بن عیسیٰ الخزار ضعیف راوی ہے۔ (تقریب التھذیب: ۳۵۲۴)
ایک دوسری رویت میں آیا ہے کہ '' **وهو يحضر يريد أن يدرك الركعة** ''
اور وہ (ابوبکر رضی اللہ عنہ) حاضر ہو رہے تھے' وہ رکعت پانا چاہتے تھے (مسند احمد ج ۵ ص ۴۲ ح ۲۰۴۳۵)
اس کی سند بشار ابن عبدالملک المزنی الخیاط کی وجہ سے ضعیف ہے۔ بشار مذکور کے بارے میں امام ابن معین نے فرمایا: '' **ضعیف** '' (الجرح والتعدیل ۲/ ۴۱۵ وسندہ صحیح) حافظ ابن حبان کا بشار کو کتاب الثقات میں ذکر کرنا امام ابن معین کی جرح کے مقابلے میں مردود ہے۔
مسند احمد کے (الموسوعۃ الحدیثیۃ ۳۴/ ۸۲) کے محققین نے بشار الخیاط کی روایت کی تائید الاستذکار لابن عبدالبر (۸۸۵۶) سے پیش کی ہے حالانکہ استذکار کی سند ضعیف ہونے کے ساتھ اس میں ''ادراکِ رکعۃ'' والے الفاظ کا کوئی ذکر نہیں ہے' دیکھئے الاستذکار (ج ۲ ص ۳۱۷ ح ۳۶۵)
سوال نمبر۱۰: نومولود بچے کے کان میں اذان دینا صحیح صریح احادیث سے ثابت ہے؟
الجواب:
نومولود کے کان میں اذان دینے والی حدیث ضعیف ہے لیکن امام ترمذی کے قول '' **والعمل علیه** '' (سنن الترمذی: ۱۵۱۴ ونسخہ مخطوطہ ص ۱۰۸ ا) سے معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلے پر تمام مسلمانوں کا عمل یعنی اجماع ہے۔
سوال نمبر۱۱: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
'' **انا زعيم ببيت في ربض الجنة لمن ترك المراء وإن كان محقاً** ''
میں جنت کے گرد ونواح میں اس آدمی کے لیے گھر کی ضمانت دیتا ہوں جو بحث وجدال چھوڑ دے اگرچہ وہ حق ہی پر کیوں نہ ہو (سند حسن ، سنن ابی داود ، کتاب الادب ، باب فی حسن خلق، ٤٨٠٠)
جب سے یہ حدیث پڑھی ذہن بہت الجھ گیا، میرے سارے کلاس فیلو حنفی ہیں ان سے بڑی گرما گرم بحثیں ہوتی ہیں اور

میں ہمیشہ قرآن وحدیث کے دلائل سے ان کو لاجواب کر دیتا ہوں مگر جب سے میں نے یہ حدیث ان کو سنائی ہے وہ میرے پیچھے پڑ گئے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے یہ حدیث تیرے جیسے بندے کے لیے کہی ہے۔ کیوں کہ تو بحثیں بہت کرتا ہے۔ میں سوچتا ہوں کہ اگر ایک شخص شرک و بدعت کی تبلیغ کر رہا ہے تو اس پر حق واضح کر دینا چاہئے اور ظاہری بات ہے کہ بحث تو ہوگی ایک دو باتوں سے وہ مطمئن تو نہ ہوگا۔ اور قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

﴿ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِي هِيَ اَحْسَن ﴾

اوران سے احسن طریقے سے بحث وجدال کیجئے''

اس لیے اگر ایک شخص قرآن وحدیث کو توڑ موڑ کر پیش کرتا ہے اور شرک و بدعت کی توثیق میں ان کی من مانی تاویلات کرتا ہے تو اس پر دلائل کے ذریعے بحث کر کے اتمام حجت کر دینی چاہیے۔ اور پھر علماء کا اختلافی مسائل پر بحث کرنا کس ضمن میں آتا ہے۔ بس آپ ذرا مجھے سمجھائیں۔ والسلام علیکم

[حافظ عاطف منظور 238 - فتح باؤن اوکاڑہ (04-11-8)]

الجواب:

لغت میں " المراء " کا مطلب ہے ''جھگڑا، کٹ حجتی، بحث'' (القاموس الوحید ص ١٥٤٦)

علامہ ابن الاثیر (متوفی ٦٠٦ھ) لکھتے ہیں:

" المراء :الجدل ، والتماری والمماراة :المجادلة علی مذهب الشك والريبة "

مراء جھگڑے کو کہتے ہیں اور تماری، مماراۃ کا معنی یہ ہے کہ شک وشبہ کی بنیاد پر جھگڑا کیا جائے۔

(النہایۃ فی غریب الحدیث ج ٤ ص ٣٢٢)

معلوم ہوا کہ حدیثِ مذکور میں احکام واختلافی مسائل پر دعوت وتحقیق کے لیے بحث ومباحثہ مراد نہیں ہے، علامہ ابن اثیر مزید لکھتے ہیں کہ:

" وقيل :إنما جاء هذا فی الجدال والمراء فی الآيات التي فيها ذكر القدر ونحوه من المعاني علی مذهب أهل الكلام وأصحاب الأهواء والآراء ، دون ما تضمنته من الأحكام وأبواب الحلال والحرام فإن ذلك قد جری بين الصحابة فمن بعدهم من العلماء وذلك فيما يكون الغرض منه والباعث عليه ظهور الحق يتتبع دون الغلبة والتعجيز والله أعلم "

اور کہا گیا ہے کہ اس حدیث (لاتماروا فی القرآن الخ) سے مراد، تقدیر وغیرہ کے مسائل میں آیات کریمہ میں، اہلِ کلام، اہلِ بدعت اور اہلِ رائے کی طرح جھگڑا کرنا ہے۔ اس سے احکام اور حلال اور حرام والے مباحث مراد نہیں ہیں کیونکہ یہ بحثیں (اور مناظرے) تو صحابہ کرام اور بعد والے علماء کے آپس کے درمیان ہوئے ہیں، ان کی غرض ومقصد یہ تھا کہ

حق واضح ہو جائے تا کہ حق کی اتباع کی جائے ، ان سے مخالف پر مجرد غلبہ یا عاجز کرنا مراد نہیں تھا، واللہ اعلم (النھایہ ۳۲۲/۴)

﴿وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ﴾ اور اچھے طریقے کے ساتھ ان لوگوں سے مجادلہ (بحث) کرو (النحل:۱۲۵) جائز مناظرے کے جواز کی دلیل ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ " بلغوا عني ولو آية " الخ مجھ سے (دین لے کر) لوگوں تک پہنچا دو چاہے ایک آیت ہی کیوں نہ ہو (صحیح البخاری:۳۴۶۱)

سیدنا ابراہیم علیہ السلام کا ایک کافر سے مناظرہ قرآن مجید میں مذکور ہے۔ (سورۃ البقرۃ:۲۵۸)

مستدرک الحاکم (۵۹۳/۲، ۵۹۴ ح ۴۱۵۷) میں نجران کے عیسائیوں کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بحث ومباحثہ مذکور ہے۔ وصححہ الحاکم علی شرط مسلم ووافقہ الذھبی ،

صحیح بخاری میں ایک فقہی مسئلے پر سیدنا عبداللہ بن مسعود اور سیدنا ابوموسیٰ الاشعری رضی اللہ عنہما کا مناظرہ موجود ہے۔ (۳۴۵،۳۴۶)

عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کا خوارج سے مناظرہ کرنا ثابت ہے (السنن الکبریٰ للبیہقی ۱۷۹/۸ وسندہ حسن)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ فرماتے ہیں کہ:

''فكل لم يناظر أهل الالحاد والبدع مناظرة تقطع دابرهم ، لم يكن أعطى الإسلام حقه ولاوفى بموجب العلم والإيمان ولا حصل بكلامه شفاء الصدور وطمأنينة النفوس ولا أفاد كلامه العلم واليقين''

پس ہر شخص جو ملحدین ومبتدعین سے (عالم ہونے کے باوجود) بنیاد کاٹ دینے والا مناظرہ نہ کرے تو اس نے اسلام کا حق ادا نہیں کیا اور نہ علم وایمان کا تقاضا پورا کیا ہے۔ اس کے کلام سے دلوں کی شفا اور اطمینان حاصل نہیں ہوتا اور نہ اس کا کلام علم ویقین کا فائدہ دیتا ہے۔ (درء تعارض العقل والنقل ج ۱ ص ۳۵۷)

معلوم ہوا کہ اہلِ باطل اور لاعلم لوگوں کو کتاب وسنت کے دلائل سنا کر حق واضح کرنا دین کی بہت بڑی خدمت ہے۔

(6-2-2005)

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

محترم حافظ زبیر علی زئی صاحب السلام علیکم!

گذارش ہے کہ کچھ دنوں سے ہماری سکول کلاس میں (صحیح) بخاری کی حدیث کذبات ابراہیم علیہ السلام کا بہت چرچا ہو رہا ہے۔ لوگ کہتے ہیں قرآن کریم میں آپ کو ''صديقاً نبياً'' کہا گیا ہے اور حدیث میں آپ کی طرف

جھوٹ منسوب ہوا ہے، اس لیے یہ اس بخاری کو نہیں مانتے اور اسی وجہ سے یہ کتاب اصح الکتب بعد کتاب اللہ کا درجہ نہیں رکھتی۔ اس کے متعلق آپ بالوضاحت مضمون لکھیں۔ آپ کی خدمت میں ایک گذارش ہے براہِ کرم اس کام کو جلد سرانجام دیں۔ اللہ آپ کے علم میں اور اضافہ فرمائے۔ (آمین) والسلام محمد ارسلان ستار طالب علم (کلاس نہم)''

الجواب:

وعلیکم السلام ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

کذباتِ ابراھیم علیہ السلام والی حدیث، مختلف الفاظ کے ساتھ درج ذیل صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین سے مروی ہے۔

۱: سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

۲: سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۳: سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ

سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ عنہ والی حدیث درج ذیل تابعین عظام رحمہم اللہ اجمعین سے مروی ہے۔

۱: محمد بن سیرین البصری (ثقہ ثبت عابد کبیر القدر، توفی ۱۱۰ھ/تقریب التہذیب: ۵۹۴۷ ملخصاً)

۲: عبدالرحمٰن بن ھرمز الأعرج (ثقہ ثبت عالم، توفی: ۱۱۷ھ/تقریب: ۴۰۳۳)

۳: ابوزرعہ بن عمرو بن جریر (ثقہ/تقریب: ۸۱۰۳)

محمد بن سیرین سے درج ذیل راویوں نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

۱: ایوب بن ابی تمیمہ السختیانی (ثقہ ثبت حجۃ، توفی ۱۳۱ھ/تقریب: ۶۰۵)

☆ صحیح بخاری کتاب احادیث الأنبیاء باب ۸ ح ۳۳۵۷ وصحیح مسلم، کتاب الفضائل باب ۴۱ ح (۲۳۷۱/۱۵۴) (۶۱۴۵)

۲: ھشام بن حسان البصری (ثقہ إلخ توفی ۱۴۷، أو ۱۴۸ھ/تقریب: ۷۲۸۹ وانظر طبقات المدلسین: ۳/۱۱۰)

☆ أبو داود فی سننہ (۲۲۱۲) والنسائی فی السنن الکبریٰ (۵/۹۸ ح ۸۳۷۴ والنسخۃ المحققہ ۷/۳۹۶ ح ۸۳۱۶) وابن حبان فی صحیحہ (الاحسان: ۷/۹۵ ح ۵۷۰۷ والنسخۃ المحققہ ۱۳/۴۵۔ ۴۷ ح ۵۷۳۷) وابن جریر الطبری فی تفسیرہ (۲۳/۴۵) وأبو یعلی فی مسندہ (۶۰۳۹)

عبدالرحمٰن بن ہرمز الأعرج سے درج ذیل راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

۱: ابوالزناد (عبداللہ بن ذکوان المدنی (ثقہ فقیہ: توفی ۱۳۰ھ أو بعدھا/تقریب: ۳۳۰۲)

☆ أحمد فی مسندہ ۲/۴۰۳ ح ۹۲۳۰ والنسخۃ المحققہ ۱۵/۱۳۱۔ ۱۳۴ ح ۹۲۴۱) والترمذی (۳۱۶۶) وقال: ''حسن صحیح'' والطبری فی تفسیرہ (۲۳/۴۵ وسندہ حسن) ورواہ البخاری (۲۲۱۷) مختصراً جداً۔

ابوزرعہ بن عمرو بن جریر سے درج ذیل راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

ا: أبوحیان التیمي الکوفی (ثقہ عابد، توفی ۱۴۱ھ/تقریب: ۷۵۵۵)

☆ البخاری فی صحیحہ (۴۷۱۲،۳۳۶۱) ومسلم فی صحیحہ ([۴۸۰] ۱۹۴/۳۲۷) وعبداللہ بن المبارک المروزی فی مسندہ (۱۱۰) وأحمد فی مسندہ (۴۳۵/۲، ۴۳۶ ح ۹۶۲۱ والنسخۃ المحققۃ ۳۸۴/۱۵ ـ ۳۸۷ ح ۹۶۲۳ وسندہ صحیح)

والنسائی فی الکبریٰ (۳۷۸/۶، ۳۷۹ ح ۱۱۲۸۶ والمحققۃ ۱۴۸/۱۰ ـ ۱۵۰ ح ۱۱۲۲۲) وابن خزیمۃ فی کتاب التوحید (ص ۲۴۲ ـ ۲۴۴ والمحققۃ ۵۹۲/۲ ـ ۵۹۶ ح ۳۴۷) وابن أبي شیبۃ فی المصنف (۴۴۴/۱۱ ح ۳۱۶۶۵) والترمذی (۲۴۳۴ وقال: ھذا حدیث حسن صحیح) وأبوعوانۃ فی صحیحہ (المستخرج علی صحیح مسلم ۱۷۰/۱ ـ ۱۷۴)

o سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے درج ذیل راوی نے یہ حدیث بیان کی ہے۔

ا: قتادہ بن دعامہ البصری (ثقہ ثبت، توفی ۱۱۱ تا ۱۱۹ھ انظر التقریب: ۵۵۱۸)

☆ النسائی فی الکبریٰ (۴۴۰/۶، ۴۴۱ ح ۱۱۴۳۳ والمحققۃ ۲۳۱/۱۰، ۲۳۲ ح ۱۱۳۶۹) وسندہ حسن، وقتادۃ صرح بالسماع

o سیدنا ابوسعید الخدری رضی اللہ عنہ

☆ الترمذی (۱۸/ ۳۱۴۸ وقال: حسن) وأبویعلیٰ فی مسندہ (۳۱۰/۲ ح ۱۰۴۰)

تنبیہ: یہ روایت علی بن زید بن جدعان کے ضعیف ہونے کی وجہ سے ضعیف ہے۔

o سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ

☆ أحمد فی مسندہ (۲۸۱/۱، ۲۸۲ ح ۲۵۴۶، ۲۹۵/۱، ۲۹۶ ح ۲۶۹۲ والمحققۃ ۳۳۰/۴ ـ ۳۳۲ ح ۲۵۴۶، ۴۲۷/۴ ـ ۴۲۹ ح ۲۶۹۲) وابوداود الطیالسی فی مسندہ (۲۷۱۱، ومنحۃ المعبود ۲۲۶/۲، ۲۲۷ ح ۲۷۹۸)

تنبیہ: اس روایت کی سند ضعیف ہے۔ اس کا ایک راوی علی بن زید بن جدعان: ضعیف ہے۔ (دیکھئے تقریب التہذیب: ۴۷۳۴)

موقوف روایات:

ا: سیدنا ابوھریرہ رضی اللہ عنہ

☆ صحیح البخاری (۳۳۵۸) والنسائی فی الکبریٰ (۹۸/۵، ۹۹ ح ۸۳۷۵ والمحققۃ ۳۹۷/۷ ح ۸۳۱۷ وسندہ صحیح) والطبري في تفسیرہ (۴۵/۲۳)

آثار التابعین:

ا: محمد بن سیرین

☆ الطبری فی تفسیرہ (۴۵/۲۳) وسندہ صحیح

اس تحقیق کا خلاصہ یہ ہے کہ کذباتِ ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام والی حدیث، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بذریعہ دو صحابیوں سیدنا ابوہریرہ اور سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہما ثابت ہے۔

اسے امام بخاری کے علاوہ امام مسلم، امام ترمذی، امام ابن حبان، امام ابوعوانہ وغیرہم نے بھی صحیح قرار دیا ہے۔ رحمہم اللہ اجمعین

یہ حدیث امام بخاری (پیدائش: ۱۹۴ھ وفات: ۲۵۶ھ) کی پیدائش سے پہلے امام عبداللہ بن المبارک رحمہ اللہ (وفات: ۱۸۱ھ) نے بیان کر رکھی ہے۔ ان کے علاوہ امام بخاری کے استادوں مثلاً امام احمد بن حنبل، امام ابن ابی شیبہ، معاصرین مثلاً امام ابوداود وغیرہ اور بعد والے محدثین نے بھی روایت کیا ہے۔

کسی محدث نے اس حدیث پر جرح نہیں کی اور نہ کسی سے اس کا انکار ثابت ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد، صحابہ و تابعین سے بھی یہی روایت ثابت ہے۔ اس صحیح روایت کا مفہوم صرف یہ ہے کہ سیدنا ابراہیم علیہ السلام نے تین مقامات پر توریہ فرمایا تھا، جسے تعریض بھی کہتے ہیں۔ اور ایسا کرنا شرعاً جائز ہے۔ اس توریہ کو حدیث میں کذبات کہا گیا ہے۔ اہلِ حجاز کی لغت میں توریہ کو کذب بھی کہتے ہیں دیکھئے فتح الباری (ج۶ص۳۹۱ تحت ح ۳۳۵۸) وتفسیر ابن کثیر (۳۴۹/۵ سورۃ الصافات: ۸۹) وشروح احادیث و کتبِ لغت وغیرہ،

والسلام زبیر علی زئی (۳۰ ذوالحجہ ۱۴۲۵ھ)

قسط: سوم

حافظ زبیر علی زئی

دین میں تقلید کا مسئلہ

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ:

'' **والذی یجب أن یقال: کل من انتسب إلی إمام غیر رسول الله ﷺ یوالي علی ذلك ویعادي علیه فهو مبتدع خارج عن السنة والجماعة، سواء کان فی الأصول أو الفروع** ''

یہ کہنا واجب (فرض) ہے کہ ہر وہ شخص جو رسول اللہ ﷺ کے علاوہ کسی دوسرے امام سے منسوب ہو جائے، اس انتساب پر وہ دوستی رکھے اور دشمنی رکھے تو یہ شخص بدعتی ہے، اہلِ سنت والجماعت سے خارج ہے، چاہے (انتساب) اصول میں ہو یا فروع میں (الکنز المدفون والفلک المشحون ص:۱۴۹)

۱۴: الشیخ العالم الکبیر المحدث محمد فاخر بن محمد یحیی بن محمد امین العباسی السلفی، الہ آبادی (پیدائش ۱۱۲۰ھ وفات ۱۱۶۴ھ) تقلید نہیں کرتے تھے بلکہ کتاب وسنت کے دلائل پر عمل کرتے اور خود اجتہاد کرتے تھے۔

(دیکھئے نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۳۵۱ ت ۶۳۶)

امام محمد فاخر الہ آبادی فرماتے ہیں کہ:

''تقلید کا معنی دلیل معلوم کئے بغیر کسی کے قول پر عمل کرنا ہے۔ کسی روایت کو قبول کرنے اور اس کے مطابق عمل کرنے کو تقلید نہیں کہتے، اہلِ علم کا اجماع ہے کہ اصولِ دین میں تقلید کرنا ممنوع ہے، جمہور کے نزدیک کسی خاص مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اجتہاد واجب ہے۔ تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے''

(رسالہ نجاتیہ ص ۴۱، ۴۲)

محدث فاخر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

''طالبِ نجات کے لئے لازم ہے کہ پہلے کتاب وسنت کے مطابق اپنے عقائد درست کرے اور اس بارہ میں کسی کے قول وفعل کی طرف قطعاً توجہ نہ دے'' (رسالہ نجاتیہ ص ۱۷)

نیز فرماتے ہیں کہ:

''اہلِ سنت کے تمام مذاھب میں حق موجود ہے، اور ہر مذھب کے بانی کو حق سے کچھ نہ کچھ حصہ ملا ہے، مگر اہلِ حدیث کا مذھب دیگر سب مذاھب سے زیادہ حق پر ہے'' (نجاتیہ ص ۴۱)

تنبیہ: علامہ محمد فاخر رحمہ اللہ کی وفات ۱۱۶۴ھ کے بہت بعد میں بانی مدرسہ دیوبند: محمد قاسم نانوتوی صاحب (پیدائش ۱۲۴۸ء) اور بانی مدرسہ بریلی: احمد رضا خان بریلوی صاحب (پیدائش ۱۲۷۲ھ) پیدا ہوئے تھے۔

۱۵: الشیخ الإمام صالح بن محمد العمری الفلانی رحمہ اللہ (متوفی ۱۲۱۸ھ) نے تقلید کے رد میں ایک زبردست کتاب لکھی ہے " **ايقاظ هم أولي الأبصار للاقتداء بسيد المهاجرين والأنصار و تحذيرهم عن الابتداع الشائع في القرى والأمصار، من تقليد المذاهب مع الحمية والعصبية بين فقهاء الأعصار**''

۱۶: شیخ حسین بن محمد بن عبدالوھاب اور شیخ عبداللہ بن محمد بن عبدالوھاب رحمہما اللہ نے فرمایا:

" **عقيدة الشيخ محمد رحمه الله ـ ـ اتباع ما دل عليه الدليل من كتاب الله و سنة رسول الله ﷺ وعرض أقوال العلماء على ذلك فما وافق كتاب الله وسنة رسوله قبلناه وأفتينا به وما خالف ذلك رددناه على قائله**"

شیخ محمد (بن عبدالوھاب) رحمہ اللہ کا عقیدہ یہ ہے کہ جس پر کتاب وسنت کی دلیل ہو اس کی اتباع کی جائے اور علماء کے اقوال کو (کتاب وسنت) پر پیش کرنا چاہئے، جو کتاب وسنت کے موافق ہوں انہیں ہم قبول کرتے ہیں اور ان پر فتوی دیتے ہیں اور جو (کتاب وسنت) کے مخالف (اقوال) ہیں ہم انہیں رد کر دیتے ہیں۔

(الدرر السنیہ ۲۱۹/۱، ۲۲۰، دوسرا نسخہ ۱۲/۴۔۱۴ والاقناع بما جاء عن ائمۃ الدعوۃ من الأقوال فی الاتباع ص ۲۷)

۱۷: عبدالعزیز بن محمد بن سعود رحمہ اللہ (سعودی عرب کے بادشاہ) سے پوچھا گیا کہ ایک آدمی مذاھبِ مشہورہ کی تقلید نہیں کرتا، کیا یہ شخص نجات پا جائے گا؟ سلطان عبدالعزیز نے کہا:

'' **من عبد الله وحده لا شريك له ، فلم يستغث إلا الله ولم يدع إلا الله وحده ولم يذبح إلا لله وحده ولم ينذر إلا لله وحده ولم يتوكل إلا عليه ويذب عن دين الله وعمل بما عرف من ذلك بقدر استطاعته فهو ناجٍ بلاشك وإن لم يعرف هذه المذاهب المشهورة**"

جو شخص ایک اللہ، لاشریک لہ کی عبادت کرے، استغاثہ صرف اسی سے کرے، دعا صرف ایک اللہ ہی سے مانگے ذبح بھی ایک اللہ ہی کے لئے کرے، نذر بھی صرف اسی کی ہی مانے، صرف اسی پر توکل کرے، اللہ کے دین کا دفاع کرے اور اس میں سے جو معلوم ہو حسب استطاعت اس پر عمل کرے تو یہ شخص بغیر کسی شک کے نجات پانے والا ہے، اگرچہ اسے ان مذاھبِ مشہورہ کا پتہ ہی نہ ہو۔ (الدرر السنیۃ ۱۷۰/۲ - ۱۷۳ طبع جدیدہ، والاقناع ص ۳۹ - ۴۱)

۱۸: سعودی عرب کے مفتی شیخ عبدالعزیز بن باز رحمہ اللہ نے فرمایا:

'' وأنا الحمد لله - لست بمتعصب ولكني أحكم الكتاب والسنة وأبني فتاواي على ماقاله الله ورسوله، لا على تقليد الحنابلة ولا غيرهم ''

میں، بحمد للہ، متعصب نہیں ہوں، لیکن میں کتاب وسنت کے مطابق فیصلے کرتا ہوں۔ میرے فتووں کی بنیاد قال اللہ اور قال الرسول پر ہے، حنابلہ یا دوسروں کی تقلید پر نہیں ہے۔ (المجلۃ رقم: ۸۰۶ تاریخ ۲۵ صفر ۱۴۱۶ھ ص ۲۳ والاقناع ص ۹۲)

۱۹: یمن کے مشہور سلفی عالم شیخ مقبل بن ھادی الوادعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' التقليد حرام، لا يجوز لمسلم أن يقلد في دين الله۔ '' تقلید حرام ہے، کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں ہے کہ وہ اللہ کے دین میں (کسی کی) تقلید کرے۔ (تحفۃ المجیب علی أسئلۃ الحاضر والغریب ص ۲۰۵)

شیخ مقبل رحمہ اللہ مزید فرماتے ہیں کہ:

'' فالتقليد لا يجوز والذين يبيحون تقليد العامي للعالم نقول لهم: أين الدليل ؟ ''

پس تقلید جائز نہیں ہے اور جو لوگ عامی (جاہل) کیلئے تقلید جائز قرار دیتے ہیں ہم ان سے پوچھتے ہیں کہ (اس کی) دلیل کیا ہے؟ (ایضاً ص ۲۶)

شیخ مقبل بن ھادی رحمہ اللہ طالب علموں کو نصیحت فرماتے ہیں کہ:

'' نصيحتي لطلبة العلم: الإبتعاد عن التقليد، قال الله سبحانه و تعالىٰ ﴿ وَلَا تَقْفُ مَالَيْسَ لَكَ بِهٖ عِلْمٌ ﴾

طالب علموں کو میری یہ نصیحت ہے کہ وہ تقلید سے دور رہیں، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اور جس کا تجھے علم نہ ہو اس کے پیچھے نہ چل۔ (غارۃ الأشرطۃ علی أھل الجھل والسفسطۃ ص ۱۱، ۱۲)

۲۰: مدینہ طیبہ کے خالص عربی، سلفی شیخ محمد بن ھادی بن علی المدخلی حفظہ اللہ نے تقلید کے رد پر ایک کتاب لکھی ہے '' الاقناع بما جاء عن أئمة الدعوة من الأقوال في الإتباع ''

میں جب شیخ کے گھر گیا تو انہوں نے اپنے ہاتھ سے یہ کتاب مجھے دی۔ والحمدللہ

اس طرح کے اور بے شمار حوالے ہیں، ان سے ثابت ہے کہ تقلید کے رد پر خیر القرون میں اجماع تھا اور بعد میں جمہور کا یہ مسلک و مذہب وتحقیق ہے کہ تقلید جائز نہیں ہے۔

تنبیہ (۱): امام خطیب بغدادی رحمہ اللہ (متوفی ۴۶۳ھ) نے لکھا ہے کہ کہ:

'' وأما من يسوغ له التقليد فهو العامي الذي لا يعرف طرق الأحكام الشرعية فيجوزله أن يقلدعالماً و يعمل بقوله: قال الله تعالىٰ ﴿ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴾ ''

تقلید جس کے لئے جائز ہے وہ ایسا عامی (جاھل) ہے جو شرعی احکام کے دلائل نہیں جانتا، اس کے لئے جائز ہے کہ وہ کسی عالم کی تقلید کرے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر تم نہیں جانتے تو اہلِ ذکر (علماء) سے پوچھ لو۔ (الفقیہ والمتفقہ ۶۸/۲)

حافظ ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ:

" وهذا كله لغير العامة فإن العامة لابدلها من تقليد علماء ها عند النازلة تنزل بها لأنها لا تتبين موقع الحجة و لا تصل بعدم الفهم إلى علم ذلك "

یہ سب (تقلید کی نفی) عوام کے علاوہ (یعنی علماء) کے لئے ہے۔ رہے عوام تو ان پر مسئلہ پیش آنے کی صورت میں، ان کے علماء کی تقلید ضروری ہے۔ کیونکہ انہیں دلیل معلوم نہیں ہوئی اور عدمِ علم کی وجہ سے وہ اس کے فہم تک نہیں پہنچ سکتے۔

(جامع بیان العلم وفضلہ ۱۱۴/۲، الرد علی من أخلد إلی الأرض ص ۱۲۳)

اس طرح کے اقوال بعض دوسرے علماء کے بھی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے کہ عامی (جاھل) عالم سے مسئلہ پوچھ کر اس پر عمل کرے گا، اور یہ تقلید ہے۔

عرض ہے کہ عامی (جاہل) کا عالم سے مسئلہ پوچھنا بالکل صحیح ہے لیکن گزشتہ صفحات میں باحوالہ ذکر کر دیا گیا ہے کہ یہ تقلید نہیں ہے (بلکہ اتباع واقتداء ہے) مثلاً دیکھئے ص ۲ وغیرہ، اسے تقلید کہنا غلط ہے۔

عامی دو اجتہاد کرتا ہے:

۱: وہ صحیح العقیدہ اہلِ سنت کے عالم کا انتخاب کرتا ہے، اگر وہ بدقسمتی سے کسی اہلِ بدعت کے عالم کا انتخاب کرلے تو پھر صحیح بخاری کی حدیث: " **فيضلون و يضلون** " پس وہ خود گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے (البخاری: ۷۳۰۷، اور یہی مضمون ص ۲۲) کی رو سے گمراہ ہوسکتا ہے۔

۲: وہ صحیح العقیدہ اہلِ سنت کے عالم کے پاس جا کر مسئلہ پوچھتا ہے کہ مجھے دلیل سے جواب دو، عامی کا یہی اجتہاد ہے۔ نیز دیکھئے مجموع فتاویٰ ابن تیمیہ (۲۰۴/۲۰) واعلام الموقعین (۲۱۶/۴) وایقاظ ھمم أولی الابصار (ص ۳۹)

عامی سے مراد: " **الصرف الجاهل الذي لا يعرف معنى النصوص والأحاديث وتأويلاتها** "

جاہل محض، جو نصوص واحادیث کا معنی اور تاویل نہیں جانتا۔ (خزانۃ الروایات، بحوالہ ایقاظ ھمم أولی الأبصار ص ۳۸)

عامی اگر جنگل میں ہو اور قبلہ کی سمت اسے معلوم نہ ہو وہ نماز پڑھنے کے لئے اجتہاد کرلے گا۔

ایک عامی (مثلاً دیوبندی) اپنے مولوی، مثلاً یونس نعمانی (دیوبندی) سے مسئلہ پوچھ کر اگر اس پر عمل کرے تو کوئی بھی یہ نہیں کہتا ہے کہ یہ عامی یونس نعمانی کا مقلد ہوگیا ہے اور اب یہ حنفی نہیں بلکہ یونسی ہے۔!!

تنبیہ (۲): خطیب بغدادی وابن عبدالبر وغیرھما نے علماء کے لئے تقلید کو ناجائز قرار دیا ہے۔ اس کے برعکس دیوبندی و بریلوی حضرات یہ کہتے پھرتے ہیں کہ عالم پر بھی تقلید واجب ہے۔ اسی وجہ سے ان کے نام نہاد علماء بھی اہلِ تقلید کہلاتے

ہیں۔

تنبیہ(۳): بعض علماء کے ساتھ حنفی وشافعی و مالکی وحنبلی کا سابقہ ولاحقہ لگا ہوتا ہے جس سے بعض لوگ یہ استدلال کرتے ہیں کہ یہ علماء مقلدین میں سے تھے۔ اس استدلال کے باطل ہونے کے چند دلائل درج ذیل ہیں۔

۱: حنفی وشافعی علماء نے خود تقلید پر شدید رد کر رکھا ہے۔ دیکھئے ص ۲۸ حوالہ: ۹ (ابوجعفر الطحاوی)، ص ۲۸ حوالہ: ۱۰ (العینی) وص ۲۹ حوالہ: ۱۱ (الزیلعی) وغیرہ،

۲: ان علماء سے مروی ہے کہ وہ تقلید کا انکار کرتے تھے۔ شافعیوں کے علماء: ابوبکر القفال، ابوعلی اور قاضی حسین سے مروی ہے کہ انہوں نے فرمایا: " لسنا مقلدين للشافعي ، بل وافق رأينا رأيه "

ہم (امام) شافعی کے مقلد نہیں ہیں بلکہ ہماری رائے (اجتہاد کی وجہ سے) ان کی رائے کے موافق ہوگئی ہے۔

(النافع الکبیر لمن یطالع الجامع الصغیر رطبقات الفقھاء، تصنیف عبدالحئ لکھنوی ص ۷، تقریرات الرافعی ج ۱ ص ۱۱ والتقریر والتحبیر ج ۳ ص ۴۵۳)

علماء خود اعلان کر رہے ہیں کہ ہم مقلدین نہیں ہیں اور مقلدین یہ شور مچا رہے ہیں کہ یہ علماء ضرور مقلدین ہیں، **سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيْمٌ**

۳: کسی مستند عالم سے یہ قول ثابت نہیں ہے کہ " انا مقلد " میں مقلد ہوں!!

تنبیہ(۴): بعض علماء کو طبقات الشافعیہ وطبقات الحنفیہ وطبقات المالکیہ وطبقات الحنابلہ میں ذکر کیا گیا ہے۔ یہ اس کی دلیل نہیں ہے کہ یہ علماء: مقلدین تھے۔

امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ طبقات الحنابلہ (ج ۱ ص ۲۸۰) وطبقات المالکیہ (الدیباج المذھب ص ۳۲۶ ت ۴۳۷) میں مذکور ہیں۔ امام شافعی رحمہ اللہ طبقات مالکیہ وطبقات حنابلہ میں مذکور ہیں۔ کیا یہ دونوں امام بھی مقلدین میں سے تھے؟ اصل وجہ یہ ہے کہ استادی شاگردی یا اپنے نمبر بڑھانے وغیرہ کیلئے ان علماء کو ان کتبِ طبقات میں ذکر کر دیا گیا ہے، یہ ان کے مقلد ہونے کی دلیل نہیں ہے۔ اس طویل تمہید کے بعد اب ماسٹر امین اوکاڑوی صاحب کے رسالے '' تحقیق مسئلہ تقلید '' کا جواب پیش خدمت ہے شروع میں ماسٹر صاحب کی عبارت کا عکس اور اس کے بعد علی الترتیب جوابات لکھ دیئے گئے ہیں والحمدللہ، وما توفیقی إلا باللہ ،

سکینگ

مائل:

(۱) تحقیق کا لفظ تقلید کی ضد ہے۔ جب تحقیق ہوگی تو تقلید ختم ہو جائے گی۔ تقلید آتی ہی اس وقت ہے جب تحقیق نہ ہو۔ ایک غالی دیوبندی مولوی امداد الحق شیووی ''فاضل جامعۃ العلوم الاسلامیہ، علامہ بنوری ٹاؤن کراچی'' نے صاف صاف لکھا ہے کہ:

''حققوا و لا تقلدوا'' (حقیقت حقیقت الالحاد ص۲۳۱ مطبوعہ: اسلامی کتب خانہ، علامہ بنوری ٹاؤن، کراچی نمبر۵)

شیووی کی عبارت کا ترجمہ: ''تحقیق کرو اور تقلید نہ کرو''

معلوم ہوا کہ تقلید تحقیق کی ضد ہے۔ والحمدللہ

تحقیق اور تقلید ایک دوسرے کی ضد اور نقیض ہیں۔ تحقیق کا مادہ ''حق'' ہے۔ جس کا معنی ثابت شدہ بات صحیح بات وغیرہ ہے۔ اور ''تحقیق'' کا معنی ثابت کرنا، صحیح بات تک پہنچنا ہے جبکہ ''تقلید'' اس کے بالکل برعکس: غیر ثابت باتوں کو ماننا اور اپنانا ہے۔

(۲) محمد امین صفدر صاحب، حیاتی دیوبندیوں کے مشہور مناظر تھے۔ راقم الحروف نے ان کا تفصیلی رد ''امین اوکاڑوی کا تعاقب''/''تحقیق جزء رفع الیدین'' اور ''تحقیق جزء القراءۃ للبخاری'' میں لکھا ہے۔ اوکاڑوی صاحب کے اکاذیب وافتراءات پر علیحدہ کتاب مرتب کرنے کا پروگرام ہے۔ فی الحال ان کے دس جھوٹ پیشِ خدمت ہیں:

۱: امین اوکاڑوی نے کہا: ''اس کا راوی احمد بن سعید دارمی مجسمہ فرقہ کا بدعتی ہے''

(مسعودی فرقہ کے اعتراضات کے جوابات ص ۴۱، ۴۲ تجلیات صفدر، طبع جمعیۃ اشاعۃ العلوم الحنفیہ ج ۲ ص ۳۴۸، ۳۴۹)

تبصرہ: امام احمد بن سعید الدارمی رحمہ اللہ کے حالات تہذیب التہذیب (۱/۳۱، ۳۲) وغیرہ میں مذکور ہیں۔ وہ صحیح بخاری وصحیح مسلم وغیرہما کے راوی اور بالاتفاق ثقہ ہیں۔ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے ان کی تعریف کی۔ حافظ ابن حجر العسقلانی نے کہا: ''ثقة حافظ'' (تقریب التہذیب: ۳۹)

ان پر کسی محدث یا امام یا عالم نے، مجسمہ فرقے میں سے ہونے کا الزام نہیں لگایا۔

۲: اوکاڑوی نے کہا: ''رسول اقدس ﷺ نے فرمایا: '' لا جمعة الا بخطبة '' خطبہ کے بغیر جمعہ نہیں ہوتا''

(مجموعہ رسائل ج ۲ ص ۱۶۹ طبع جون ۱۹۹۳ء)

تبصرہ: ان الفاظ کے ساتھ یہ حدیث: رسول اللہ ﷺ سے قطعاً ثابت نہیں ہے۔ مالکیوں کی غیر مستند کتاب ''المدونہ'' میں ابن شہاب (الزہری) سے منسوب ایک قول لکھا ہوا ہے کہ:

'' بلغني أنه لا جمعة إلا بخطبة فمن لم يخطب صلى الظهر أربعاً'' (ج ۱ ص ۱۴۷)

اس غیر ثابت قول کو اوکاڑوی صاحب نے رسول اللہ ﷺ سے صراحۃً منسوب کر دیا ہے۔

۳: اوکاڑوی نے کہا: ''برادران اسلام، اللہ تعالیٰ نے جس طرح کافروں کے مقابلے میں ہمارا نام مسلم رکھا، اسی طرح اہلِ حدیث کے مقابلے میں آنحضرت ﷺ نے ہمارا نام اہلسنت والجماعت رکھا''

(مجموعہ رسائل ج۴ص ۳۶ طبع نومبر ۱۹۹۵ء)

تبصرہ: کسی ایک حدیث میں بھی رسول اللہ ﷺ نے اہلِ حدیث کے مقابلے میں دیو بندیوں کا نام: اہل سنت والجماعت نہیں رکھا۔ یہ بات عام علماءِ حق کو معلوم ہے کہ دیو بندی حضرات اہلِ سنت والجماعت نہیں ہیں بلکہ نرے صوفی ، وحدت الوجودی اور غالی مقلد ہیں۔

۴: اوکاڑوی نے صحاح ستہ کے مرکزی راوی ابن جریج کے بارے میں کہا:

''یہ بھی یاد رہے کہ یہ ابن جریج وہی شخص ہیں جنھوں نے مکہ میں متعہ کا آغاز کیا اور نوے عورتوں سے متعہ کیا'' (تذکرۃ الحفاظ)'' (مجموعہ رسائل ج۴ص ۱۶۴)

تبصرہ: تذکرۃ الحفاظ للذھبی (ج ا ص ۱۶۹ تا ۱۷۱) میں ابن جریج کے حالات مذکور ہیں مگر ''متعہ کا آغاز'' کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ یہ خالص اوکاڑوی جھوٹ ہے۔ رہی یہ بات کہ ابن جریج نے نوے عورتوں سے متعہ کیا تھا بحوالہ تذکرۃ الحفاظ (ص ۱۷۰، ۱۷۱) یہ بھی ثابت نہیں ہے کیونکہ امام ذہبی نے ابن عبدالحکم تک کوئی سند بیان نہیں کی۔

سرفراز خان صفدر دیوبندی لکھتے ہیں کہ: ''اور بے سند بات حجت نہیں ہو سکتی'' (احسن الکلام ج ا ص ۳۲۷ طبع: باردوم)

۵: ایک مردود روایت کے بارے میں اوکاڑوی صاحب لکھتے ہیں: ''مگر تاہم طحاوی ج ۱/ص ۱۶۰ پر تصریح ہے کہ مختار نے یہ حدیث بذاتِ خود حضرت علیؓ سے سنی۔'' (جزء القرأۃ للبخاری، بتحریفات: اوکاڑوی ص ۵۸ تحت ح ۳۸)

تبصرہ: معانی الآثار للطحاوی (بیروتی نسخہ ۱/۲۱۹، نسخہ ایچ ایم سعید کمپنی، ادب منزل پاکستان چوک کراچی ج ا ص ۱۵۰) میں لکھا ہوا ہے کہ: '' عن المختار بن عبد الله بن أبي ليلىٰ قال: قال علي رضى الله عنه ''

یہ بات عام طالب علموں کو بھی معلوم ہے کہ ''قال'' اور ''سمعت'' میں بڑا فرق ہے۔ قال (اس نے کہا) کا لفظ تصریح سماع کی لازمی دلیل نہیں ہوتا، جزء القرأت کی ایک روایت میں امام بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ:

'' قال لنا أبو نعيم '' (ح ۴۸) اس پر تبصرہ کرتے ہوئے اوکاڑوی فرماتے ہیں کہ: ''اس سند میں نہ بخاریؒ کا سماع ابونعیم سے ہے اور ابن ابی الحسناء بھی غیر معروف ہے'' (جزء القرأت مترجم ص ۶۴)

۶: اوکاڑوی نے کہا: ''اور دوسرا صحیح السند قول ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: لا يقرؤا خلف الامام کہ امام کے پیچھے کوئی شخص قرأت نہ کرے (مصنف ابن ابی شیبہ ج ا ص ۳۷۶)'' (جزء القرأۃ، ترجمہ وتشریح: امین اوکاڑوی ص ۶۳ تحت ح ۴۷)

تبصرہ: ان الفاظ کے ساتھ مصنف ابن ابی شیبہ میں آپ ﷺ کی کوئی حدیث موجود نہیں ہے، بلکہ یہ سیدنا جابر رضی اللہ عنہ کا قول ہے جسے اوکاڑوی صاحب نے مرفوع حدیث بنالیا ہے۔

۷: اوکاڑوی نے کہا: ''حضرت عمرؓ نے حضرت نافع اور انس بن سیرین کو فرمایا: **تكفيك قراءة الامام** تجھے امام کی قرأت کافی ہے'' (جزء القرأۃ/اوکاڑوی ص۶۶ تحت ح۵۱)

تبصرہ: انس بن سیرین رحمہ اللہ ۳۳ھ یا ۳۴ھ میں پیدا ہوئے (تہذیب التہذیب: ۱/۳۷۴) اور سیدنا عمر رضی اللہ عنہ ۲۳ھ میں شہید ہوئے (تقریب التہذیب: ۴۸۸۸) نافع نے سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو نہیں پایا (اتحاف المھرۃ للحافظ ابن حجر ۱۲/۳۸۶ قبل ح ۱۵۸۱۰) معلوم ہوا کہ انس بن سیرین اور نافع دونوں، امیر المؤمنین عمر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں موجود ہی نہیں تھے تو ''کو فرمایا'' سراسر جھوٹ ہے جسے اوکاڑوی صاحب نے گھڑ لیا ہے۔

۸: اوکاڑوی نے کہا: ''تقلید شخصی کا انکار ملکہ وکٹوریہ کے دور میں شروع ہوا اس سے پہلے اس کا انکار نہیں بلکہ سب لوگ تقلید شخصی کرتے تھے۔'' (تجلیات صفدر ج۲ ص۱۴۰ نسخہ فیصل آباد)

تبصرہ: احمد شاہ درانی کو شکست دینے والے مغل بادشاہ احمد شاہ بن ناصر الدین محمد شاہ (دور حکومت ۱۱۶۱ھ تا ۱۱۶۷ھ) کے عہد میں فوت ہوجانے والے شیخ محمد فاخر الہ آبادی رحمہ اللہ (متوفی ۱۱۶۴ھ) فرماتے ہیں کہ:

''جمہور کے نزدیک کسی خاص مذہب کی تقلید کرنا جائز نہیں ہے بلکہ اجتہاد واجب ہے۔ تقلید کی بدعت چوتھی صدی ہجری میں پیدا ہوئی ہے'' (رسالہ نجاتیہ ص۴۱، ۴۲)

شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ وغیرہ نے تقلید شخصی کی مخالفت کی ہے (دیکھئے یہی مضمون ص۲۹)

امام ابن حزم نے اعلان کیا ہے کہ: "**والتقليد حرام**" اور (عامی ہو یا عالم) تقلید حرام ہے۔

(النبذۃ الکافیہ ص۷۰، ۷۱ و یہی مضمون ص۲۸)

یہ سب ملکہ وکٹوریہ سے بہت پہلے گزرے ہیں۔

۹: اوکاڑوی نے کہا: ''یہی وجہ ہے کہ سب محدثین ائمہ اربعہ میں سے کسی نہ کسی کے مقلد ہیں''

(مجموعہ رسائل ج۴ ص۶۲ طبع اول ۱۹۹۵ء)

تبصرہ: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ (متوفی ۷۲۸ھ) سے محدثین کرام کے بارے میں پوچھا گیا کہ "**هل كان هؤلاء مجتهدين لم يقلدوا أحداً من الأئمة ، أم كانوا مقلدين**" کیا یہ لوگ مجتہدین تھے، انہوں نے ائمہ میں سے کسی کی تقلید نہیں کی یا یہ مقلدین تھے؟ (مجموع فتاوی ج۲۰ ص۳۹) تو شیخ الاسلام نے جواب دیا:

"**الحمد لله رب العالمين ، أما البخاري و أبو داود فإما مان في الفقه من أهل الاجتهاد ، وأما مسلم والترمذي والنسائي و ابن ماجه وابن خزيمة و أبو يعلى والبزار و نحوهم فهم على مذهب أهل**

الحدیث ، لیسوا مقلدین لواحد بعینه من العلماء ، ولا هم من الأئمة المجتهدین علی الاطلاق"
بخاری اور ابوداود تو فقہ کے امام (اور) مجتہد (مطلق) تھے۔ رہے امام مسلم، ترمذی، نسائی، ابن ماجہ، ابن خزیمہ، ابویعلی اور البزار وغیرہم تو وہ اہلِ حدیث کے مذہب پر تھے، علماء میں سے کسی کی تقلید معین کرنے والے، مقلدین نہیں تھے، اور نہ مجتہد مطلق تھے'' (مجموع فتاوی ج۲۰ص۴۰)

یہ عبارت اس مفہوم کے ساتھ درج ذیل کتابوں میں بھی ہے۔

توجیه النظر إلی أصول الأثر للجزائری ص(۱۸۵) الکلام المفید فی اثبات التقلید، تصنیف سرفراز خان صفدر دیوبندی ص(۱۲۷ طبع ۱۴۱۳ھ) ماتمس إلیہ الحاجۃ لمن یطالع سنن ابن ماجہ (ص۲۶)

تنبیہ: شیخ الاسلام کا ان کبار ائمہ حدیث کے بارے میں یہ کہنا کہ ''نہ مجتہد مطلق تھے'' محلِ نظر ہے۔ رحمه الله رحمة واسعة ،

۱۰: اوکاڑوی صاحب نے امام عطاء بن ابی رباح رحمہ اللہ کے بارے میں کہا:

''میں نے کہا: سرے سے یہ ثابت نہیں کہ عطاء کی ملاقات دوسو صحابہ سے ہوئی ہو اور یہ تو بالکل ہی غلط ہے کہ ابن زبیرؓ کے وقت تک کسی ایک شہر میں دوسو صحابہ موجود ہوں''

(تحقیق مسئلہ آمین ص۴۴ و مجموعہ رسائل ج۱ص۱۵۶، طبع اکتوبر ۱۹۹۱ء)

دوسرے مقام پر یہی اوکاڑوی صاحب اعلان کرتے ہیں کہ:

''مکہ مکرمہ بھی اسلام اور مسلمانوں کا مرکز ہے۔ حضرت عطاء بن ابی رباح یہاں کے مفتی ہیں۔ دوسو صحابہ کرام سے ملاقات کا شرف حاصل ہے'' (نماز جنازہ میں سورہ فاتحہ کی شرعی حیثیت ص۹، و مجموعہ رسائل ج۱ص۲۶۵)

تبصرہ: ان دونوں عبارتوں میں ایک عبارت بالکل جھوٹ ہے۔ اوکاڑوی صاحب کے دس اکاذیب کا بیان ختم ہوا۔

(باقی آئندہ)

سفرنامہ

یمن کا سفر

حافظ زبیر علی زئی

ہم بَدِیعہ (سُوَیدی) ریاض (سعودی عرب) میں جناب ابوعبدالسلام محمد سعید بن عبدالکریم کے گھر میں بیٹھے ہوئے تھے۔ عید الفطر (۱۴۲۵ھ) کا دوسرا دن تھا۔ اتنے میں میرے سعودی کفیل جناب ابوھشام منصور بن مبارک بن عمر باعطیہ تشریف لائے۔ انتہائی ہنس مکھ اور زندہ دل انسان ہیں۔ سعودی و یمنی تہذیب کے امتزاج کا بہترین نمونہ اور خوش اخلاقی کا روشن ستون ہیں۔

ابوھشام نے بتایا کہ وہ تقریباً ایک ہفتہ بعد اپنے آبائی وطن یمن کی سیر اور بعض سلفی علماء کی ملاقات کے لیے یمن جانا چاہتے ہیں۔ میرے ذہن میں فوراً یمن کا تصور چھا گیا۔ نبی کریم ﷺ کی مشہور حدیث یاد آ گئی:

'' **أتاكم أهل اليمن هم أرق أفئدة و ألين قلوبا ، الإيمان يمان والحكمة يمانية** ''

تمہارے پاس یمن والے آئے ہیں، یہ لوگ نرم دل اور رقیق القلب ہیں۔ ایمان یمنی ہے اور حکمت یمن میں ہے۔

(البخاری:۴۳۸۸ و مسلم:۵۲/۹۰)

یہ صحیح حدیث نبی کریم ﷺ کے دور والے یمنی مؤمنین پر منطبق ہے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ہر دور کا ہر یمنی باشندہ ان صفات سے متصف ہے۔ تاہم اس حدیث سے یمنیوں کی فضیلت ضرور ثابت ہوتی ہے۔

شیخ ابوھشام نے مجھے مخاطب کرتے ہوئے کہا:

''اگر آپ بھی میرے ساتھ اس سفر میں جانا اور یمن کی سیر کرنا چاہتے ہیں تو بندہ حاضر ہے'' (۱)

میرے ایک دوست اور محسن قاری ابویزید سیف اللہ بن عبدالکریم النوری اس مجلس میں موجود تھے، بولے:

''ضرور جائیں، یہ بہترین موقع ہے'' یمن کی سیر کا جذبہ میرے دل میں مچل رہا تھا۔ میں نے فوراً ہامی بھر لی۔

یمنی سفارت خانے میں

کچھ دنوں کے بعد، میں اپنا پاسپورٹ اور کفیل کا ورقہ لے کر یمنی سفارت خانے پہنچا۔ مختلف ممالک کے پرشکوہ اور عظیم الشان سفارت خانوں کی عمارتیں، ریاض کے قریب ایک خوبصورت علاقے میں واقع ہیں، کھجور کے درختوں کی سرسبز و

(۱) یمنی سفر کا تمام کلام عربی زبان میں تھا جس کا مفہوم اردو قالب میں ڈھالا گیا ہے۔ اسے خوب یاد رکھیں۔

شاداب قطاریں ایک عجیب روحانی منظر کی عکاسی کر رہی ہیں۔
درخواست دیتے وقت کلرک سے معلوم ہوا کہ ویزے کے حصول کے لیے میڈیکل چیک اپ رپورٹ (Medical check up report) (تقریر الفحص الطبی) کا ہونا ضروری ہے۔
ایک مستوصف (پرائیویٹ ہسپتال) سے چیک اپ کروایا۔ دوسرے دن رپورٹ لے کر سفارت خانے پہنچا تو انہوں نے کہا کہ کفیل کا پاسپورٹ ہونا ضروری ہے دفتری حضرات اسی طرح عام لوگوں کو تنگ کرتے رہتے ہیں۔
جب سارے مطلوبہ کاغذات اور ابوھشام کا پاسپورٹ لے کر سفارت خانے گیا تو حکم ہوا کہ قونسل مہدی الیمنی کے پاس جاؤ، پوچھ پوچھ کر جب مہدی صاحب کے پاس پہنچا تو انہوں نے کاغذات وغیرہ لے کر ارشاد فرمایا:
بکرة (یعنی کل آئیں)
بادل نخواستہ سفارت خانے سے باہر آتے ہوئے کفیل ابوھشام کو ان کے موبائل فون پر اپنے موبائل سے اطلاع دے دی۔ انہوں نے بتایا کہ وہ بہت جلد آ رہے ہیں۔ انتظار کرتا رہا، جناب ابوھشام صاحب پونے دو بجے پہنچے، سفارت خانے کی دفتری کارروائیوں کے بند ہونے کا وقت دو بجے تھا۔ ابوھشام منصور نے بنفس نفیس قونسل (کونسلر) مہدی سے ملاقات کی اور پرزور مطالبہ کیا کہ ویزا آج ہی ملنا چاہیے۔
دفتری تگ ودو کے بعد مہدی صاحب نے میرے پاسپورٹ پر یمن کا ویزا لگوا دیا لیکن یہ بھی لکھوایا کہ
''**مع مرافقة الكفيل**'' یعنی یہ کفیل کے ساتھ یمن کی سیر کریں گے۔
اور کفیل کے پاسپورٹ پر میرا اندراج کروایا کہ ان کے ساتھ مکفول بھی ہوگا۔
سفارت خانے میں ابوھشام کی ملاقات ایک یمنی بابا شیخ جابری سے ہوئی جو ان کی جان کو چمٹ گیا تھا۔ بڑی مشکل سے تقریباً دو گھنٹے بعد شیخ جابری سے پیچھا چھڑوایا گیا۔ تاہم شیخ جابری نے کچھ کاغذات اور رقم صنعاء یمن میں اپنے بیٹے تک پہنچانے کے لیے ہمارے ہاتھ تھما دی۔

یمن کی طرف

2 دسمبر 2004ء کو ابوھشام نے کہا کہ آپ ظہر کے بعد ڈیڑھ بجے (1:30) میرے گھر آ جائیں ان شاء اللہ اسی وقت روانہ ہو جائیں گے۔ ابوعبدالسلام کے ساتھ ٹھیک ڈیڑھ بجے ابوھشام کے گھر (خان شلیلا۔ الریاض) پہنچ گیا۔
سامان کی ترتیب جاری تھی۔ مغرب کے بعد عشاء سے تھوڑا پہلے ہم روانہ ہوئے۔ سفر کی مسنون دعائیں پڑھ کر سفر کا آغاز کیا۔ ہم کل پانچ ساتھی تھے۔
۱: زبیر علی زئی ۲: ابوھشام منصور ۳: منصور کا آٹھ نو سال کا بیٹا ھشام ابوعبدالملک ۴: ابوعقیل محمد باعطیہ
۵: ابومالک الیمنی

ابوھشام کی گہرے نیلے رنگ کی ،فورسیٹر چھوٹی گاڑی میں ہم بیٹھے ہوئے تھے۔
اذکارِمساء (شام کے اذکار) سے فارغ ہونے کے بعد طرح طرح کی گفتگو جاری رہی۔
راستے میں الخرج ،الدلم ،لیلیٰ اور وادی دواسر وغیرہ کے شہر آئے ۔ سنا ہے کہ مسیلمہ کذاب حنفی اپنے قبیلے بنو حنیفہ کے ساتھ الخرج کے علاقے میں قیام پذیر تھا جب سیدنا ابو بکر الصدیق رضی اللہ عنہ کی بھیجی ہوئی سپاہِ صحابہ نے اسے قتل کر کے واصلِ جہنم کیا تھا۔
الخرج علاقہ سرسبز وشاداب ہے ۔ کھجوروں کے درخت اور لہلہاتا ہوا سبزہ ،الربع الخالی کے صحرا میں عجیب بہار پیش کرتا ہے ۔ وادی دواسر میں تقریباً رات کے بارہ بجے پہنچے اور ایک ہوٹل میں آرام کیا۔
دوسرے دن ،صبح کی نماز سے فارغ ہو کر اذکارِ صباح پڑھتے ہوئے ،خمیس مشیط کی طرف روانہ ہوئے ۔ پہاڑی علاقہ شروع ہو گیا تھا۔
خمیس مشیط (ایک سعودی شہر) سے پہلے ایک جگہ پہنچے تو کیا دیکھتے ہیں کہ پہاڑوں سے بے شمار چھوٹے بڑے بندر اور ان کے بچے سڑک کے پاس آئے ہوئے ہیں ۔ ہم نے گاڑی روک دی لیکن سارے شیشے بند ہی رکھے تا کہ یہ وحشی جانور حملہ نہ کر دیں ۔ بچہ ہشام بڑا ہی خوش ہو رہا تھا۔ ہمارے پاس جو بکسٹ وغیرہ تھے ،گاڑی کے شیشوں میں سے بندروں کے طرف پھینک دیے ۔ مگر یہ خیال رکھا کہ کہیں شیشہ زیادہ نہ کھل جائے۔
بندر پھینکی ہوئی چیزوں کو اچک اچک کر پکڑتے اور انتہائی تیزی سے کھاتے۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ بھوک کے ستائے ہوئے ہیں۔
کچھ بندر ہماری گاڑی پر چڑھے ہوئے تھے ۔ سڑک پر کچھ دوسری گاڑیاں بھی رکی ہوئی تھیں۔
تھوڑی دیر اس منظر سے لطف اندوز ہونے کے بعد ہم خمیس مشیط کی طرف روانہ ہو گئے۔

مدثر سے ملاقات

میرے ایک شاگرد مدثر (جھامرہ ، غازی ضلع ہزارہ ، صوبہ سرحد والے) خمیس مشیط میں اپنے ایک رشتہ دار محمد قاسم کے ساتھ رہتے ہیں ۔ دونوں سلفی العقیدہ اہلِ حدیث ہیں ۔ مدثر کو اہلِ حدیث ہونے کے بعد اپنے گاؤں جھامرہ میں شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا تھا مگر وہ ثابت قدم رہے۔
میں نے خمیس مشیط کے قریب سے مدثر کو فون کر دیا کہ ہم آرہے ہیں ۔ مدثر بھائی بہت خوش ہوئے ۔ جمعہ کا دن تھا۔ ہم جب خمیس مشیط پہنچے تو جمعہ ہو چکا تھا۔ مدثر نے ایک مسجد کے پاس ہمارا استقبال کیا اور ہمیں اپنے ڈیرے لے گئے وہاں قاسم سے ملاقات ہوئی۔
ہم چونکہ مسافر تھے لہذا سفری رخصت سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ظہر وعصر کی نمازیں جمع تقدیم کر کے اس ڈیرے میں

پڑھیں۔ وہاں ایک سواتی ساجد سے ملاقات ہوئی۔
ساجد صاحب تقریباً دس سال سے سعودیہ میں مقیم ہیں اور بہترین عوامی عربی زبان بولتے ہیں۔
نماز کے بعد دوپہر کا کھانا تیار تھا۔ مدثر اور قاسم نے مہمان نوازی کا حق ادا کر دیا تھا۔
کھانے سے فارغ ہو کر بھائیوں سے اجازت لی اور خمیس مشیط سے جیزان کی طرف روانہ ہوئے۔ سارا علاقہ پہاڑی تھا۔ چھوٹی چھوٹی بے آب و گیاہ پہاڑیوں کا لامتناہی سلسلہ تھا۔ ابہا کے شہر سے گزرے۔ مغرب کے بعد جیزان کے شہر ابوالعریش پہنچے وہاں ابوھشام کے ایک دوست حسن عبدہ کے گھر میں قیام کیا۔

الشیخ احمد المطری الیمنی سے ملاقات

حسن عبدہ کے گھر میں یمنی شیخ احمد بن عبداللہ بن علی المطری سے ملاقات ہوئی شیخ صاحب ہمارے منتظر تھے انتہائی دلیر، حاضر جواب اور بذلہ سنج ہیں۔ شیخ مقبل بن ھادی الوادعی الیمنی رحمہ اللہ کے شاگردوں میں بہترین صدوق، سنی عالم اور داعی ہیں۔ تقلید کی کسی قسم کو جائز نہیں سمجھتے۔ شیخ مقبل رحمہ اللہ، عصر حاضر میں یمن کے اہل حدیث علماء کے امام تھے۔ بہت سی مفید کتابوں کے مصنف اور بہت کامیاب مدرس تھے۔ ان کے مدرسے میں ہزاروں طالب علم پڑھتے تھے۔
شیخ مقبل رحمہ اللہ بھی تقلید کے سخت مخالف تھے اور فرماتے تھے:
'' التقلید حرام '' تقلید حرام ہے۔ (تحفۃ المجیب علی اسئلۃ الحاضر والغریب ص ۲۰۵) نیز دیکھئے میری کتاب ''بدعتی کے پیچھے نماز کا حکم'' ص ۲۳
حسن عبدہ کے گھر میں شیخ مطری نے ایک معمر شخص سے پوچھا:
مصیبت میں ''یارسول اللہ'' کہنا بہتر ہے یا ''یاعلی'' کہنا؟
وہ شخص بے ساختہ بولا: ''یارسول اللہ'' کہنا تو شیخ نے اسے سمجھایا کہ مصیبت میں ''یارسول اللہ'' کہنا اور ''یاعلی'' دونوں طرح ناجائز اور شرک ہے۔ صرف ''یااللہ'' کہہ کر اللہ ہی سے مدد مانگنی چاہئے۔

الشیخ ناصر الکحل سے ملاقات

عشاء کی نماز کے بعد شیخ المطری کے ساتھ ہم شیخ ناصر الکحل کے پاس، ملاقات کے لیے گئے۔ وہاں سوال وجواب کے دوران فرض نماز کے بعد بآواز بلند تکبیر (اللہ اکبر) کہنے کا ذکر ہوا تو شیخ ناصر الکحل نے کہا کہ:
''اس سلسلے میں مروی حدیث ضعیف ہے''
میں نے کہا: ''شیخ صاحب! یہ حدیث صحیح بخاری وصحیح مسلم میں ہے۔ اسے عمرو بن دینار نے ابومعبد نافذ سے، انہوں نے سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے'' شیخ احمد المطری نے بھی میرے تائید کی اور بتایا کہ ''یہ حدیث

صحیح ہے اور یمن کے اہل حدیث اس پر عمل کرتے ہیں''

حدیث کا متن درج ذیل ہے:

'' عن ابن عباس رضی الله عنهما قال: كنت أعرف انقضاء صلوة النبي ﷺ بالتكبير''

ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نبی ﷺ کی نماز کا اختتام (لوگوں کی) تکبیر سے معلوم کر لیتا تھا۔

(صحیح البخاری:۸۴۲)

صحیح مسلم میں درج ذیل الفاظ ہیں:

'' ماكنا نعرف انقضاء صلوة رسول الله ﷺ إلا بالتكبير''

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ہمیں نبی ﷺ کی نماز کا اختتام صرف تکبیر کے ذریعے ہی معلوم ہوتا تھا۔

(صحیح مسلم:۵۸۳/۱۲۱)

شیخ ناصر الکحل حفظہ اللہ نے فوراً اپنی بات سے رجوع کیا اور کہا:

''یہ حدیث صحیح ہے اور اس کی دلیل ہے کہ فرض نماز کے بعد اللہ اکبر کہنا سنت ہے''

منصور باعطیہ نے تاویل کی کوشش کی مگر شیخ نے کہا کہ:

''تکبیر کا مطلب تکبیر یعنی اللہ اکبر ہی ہے، اس کا مطلب سبحان اللہ، استغفر اللہ وغیرہ والے اذکار نہیں ہیں۔ لہٰذا صحیح یہی ہے کہ نماز کے فوراً بعد تکبیر جہراً کہی جائے اور بعد میں اذکار مسنونہ پڑھے جائیں''

یہ سن کر مجھے سخت حیرانی اور خوشی ہوئی کہ یہ شیخ فوراً حق کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ اہلِ حدیث کا یہی عقیدہ ومسلک اور عمل ہے کہ حق واضح ہو جانے کے بعد چوں وچرا نہیں کرتے بلکہ فوراً لبیک کہہ کر حق تسلیم کر لیتے ہیں۔

یہاں بطورِ تنبیہ عرض ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کی بیان کردہ اس حدیث پر سعودیہ میں عمل نہیں ہوتا۔ سعودی علماء نے اسے اپنی تاویلات باطنیہ کا نشانہ بنا کر عملاً رد کر دیا ہے۔

ایک سعودی شیخ عبداللہ المعتاز سے اس سلسلے میں، ریاض سعودی عرب میں میری بات ہوئی تھی۔ یہ شیخ لاجواب ہونے کے باوجود اپنی ضد اور حدیث کی مخالفت پر ڈٹا رہا، اس مجلس کا ایک نوجوان بول اٹھا تھا کہ:

'' انا مع الشيخ الزبير '' میں اس مسئلے میں شیخ زبیر کے ساتھ ہوں۔ (باقی اگلے شمارے میں ملاحظہ کیجئے)

الشیخ ابن عثیمین رحمہ اللہ ترجمہ: حافظ زبیر علی زئی

اللّٰہ عرش پر ہے

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قنوتِ وتر میں درج ذیل دعا باسند صحیح ثابت ہے:

'' اللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ فِيْمَنْ هَدَيْتَ، وَعَافِنِيْ فِيْمَنْ عَافَيْتَ، وَتَوَلَّنِيْ فِيْمَنْ تَوَلَّيْتَ ، وَبَارِكْ لِيْ فِيْمَا اَعْطَيْتَ ، وَقِنِيْ شَرَّ مَا قَضَيْتَ ، فَإِنَّكَ تَقْضِيْ وَلَا يُقْضٰى عَلَيْكَ، إِنَّهٗ لَا يَذِلُّ مَنْ وَّالَيْتَ ، تَبَارَكْتَ رَبَّنَا وَتَعَالَيْتَ''

اے میرے اللہ! مجھے ان لوگوں میں (شامل کر کے) ہدایت دے جنہیں تو نے ہدایت دی، اور مجھے ان لوگوں میں عافیت عطا کر جنہیں تو نے عافیت میں رکھا، اور جن لوگوں سے تو نے دوستی کی مجھے ان میں اپنا دوست بنا، تو نے مجھے جو دیا ہے اس میں برکت دے، اور تو نے تقدیر میں جو شر (ونقصان) لکھ رکھا ہے مجھے اس سے بچالے، بے شک تو فیصلہ کرتا ہے اور تیرے اوپر کسی کا فیصلہ نہیں چلتا، جسے تو ذلیل کرے اسے عزت دینے والا کوئی نہیں، اے ہمارے رب تو برکتوں والا اور بلندی (علو) والا ہے۔(۱)

(احمد ۱/۱۹۹ ح ۱۷۱۸ وسندہ صحیح، والموسوعۃ الحدیثیۃ ۳/۲۴۵، وصححہ ابن خزیمہ: ۱۰۹۵ وابن الجارود: ۲۷۲، ورواہ ابوداود: ۱۴۲۵ من طریق آخر وحسنہ الترمذي: ۴۶۴)

''و تعالیت'' (اور تو بلندی/علو والا ہے) کی تشریح کرتے ہوئے سعودی عرب کے جلیل القدر فقیہ شیخ محمد بن صالح بن عثیمین رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث ''وتعالیت'' سے مراد تعالی (بہت بلند ہونا) اور علو ہے۔

بلند ہونے میں مبالغہ ثابت کرنے کے لیے ''ت'' کا اضافہ کیا گیا ہے۔

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا بلند ہونا دو قسموں پر منقسم ہے: ۱: علوذات ۲: علوصفت

علوذات کا معنی یہ ہے کہ اللہ بذات خود ہر چیز سے بلند ہے اور علوصفت کا معنی یہ ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ بلندی والی

(۱) تنبیہ: اس حدیث کا ایک راوی یونس بن ابی اسحاق تدلیس سے بری ہے دیکھئے میری کتاب ''الفتح المبین فی تحقیق طبقات المدلسین'' (۲/۶۶) والحمد للہ

تمام صفات کے ساتھ موصوف ہے۔ پہلی قسم (علو ذات) کا جہمی حلولیوں اور ان کے پیروکاروں نے انکار کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ: بے شک اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر جگہ اور ہر مکان میں ہے۔(۱)

صفاتِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے غالی قسم کے فرقے معطلہ نے بھی یہ کہتے ہوئے اس کا انکار کر دیا ہے کہ '' بے شک اللہ تعالیٰ نہ تو جہان کے اوپر ہے اور نہ نیچے ہے، نہ دائیں ہے اور نہ بائیں ہے۔ نہ آگے ہے اور نہ پیچھے ہے، نہ متصل ہے اور نہ منفصل (جدا) ہے''

ماتریدیوں کے نزدیک اللہ نہ تو عالم (جہان) میں ہے اور نہ اس سے خارج ہے۔ نہ اس سے متصل ہے اور نہ منفصل ہے، دیکھئے کتاب التوحید للماتریدی ص ۷۶ اوالماتریدیہ للشیخ السّلفی المجاھد شمس الدین الأفغانی رحمہ اللہ ج ا ص ۵۱۳

یعنی (ان لوگوں کے نزدیک) وہ معدوم محض (جس کی کوئی ذات نہ ہو) ہے۔ اس لیے (سلطان) محمود بن سبکتگین رحمہ اللہ نے اس شخص پر انکار کرتے ہوئے کہا تھا، جو کہ اللہ کو ان الفاظ کے ساتھ موصوف سمجھتا تھا۔ '' یہ تو معدوم کی صفت ہے ''انہوں نے سچ فرمایا کہ یہ معدوم کی صفت ہی ہے۔

اہل سنت والجماعت یہ کہتے ہیں کہ: اللہ سبحانہ وتعالیٰ اپنی ذات کے ساتھ ہر چیز سے بلند ہے۔ وہ اس عقیدے پر پانچ دلیلیں رکھتے ہیں:۔ ا: قرآن ۲: سنت ۳: اجماع ۴: عقل ۵: فطرت

اللہ کے بلند ہونے کے اثبات میں قرآن میں ہر قسم کی دلیلیں موجود ہیں۔ بعض آیات میں ﴿سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى﴾ اپنے رب کے نام کی تسبیح بیان کر جو اعلیٰ ہے۔(اعلیٰ:۱) علو کا لفظ موجود ہے۔ اور بعض آیات میں ﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ﴾ اور وہ زبردست ہے، اپنے بندوں کے اوپر ہے۔(سورۃ الانعام:۱۸) فوقیت (بلندی) کا لفظ موجود ہے۔ اور بعض آیات میں اللہ کی طرف اشیاء کا چڑھنا اور بلند ہونا مذکور ہے مثلاً ﴿تَعْرُجُ الْمَلٰٓئِكَةُ وَالرُّوْحُ اِلَيْهِ﴾ فرشتے اور روح اسی کی طرف چڑھتے ہیں۔(سورۃ المعارج:۴) اور اسی طرح اللہ کا فرمان ﴿اِلَيْهِ يَصْعَدُ الْكَلِمُ الطَّيِّبُ﴾ اور پاک کلمے اسی کی طرف بلند ہوتے ہیں (سورۃ فاطر:۱۰) اس کی دلیل ہے۔ بعض آیات میں اللہ کے پاس سے اشیاء کا نزول مذکور ہے جیسے کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿يُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ﴾ اور وہ امور کی تدبیر آسمان سے زمین کی طرف کرتا ہے (سورۃ السجدۃ:۵)

سنت (احادیث) میں حدیث کی تینوں قسموں: قول، فعل اور تقریر میں یہ عقیدہ آیا ہے۔

....

(۱) ا: مفتی محمود حسن گنگوہی دیوبندی لکھتے ہیں: '' خدا ہر جگہ موجود ہے'' (ملفوظات فقیہ الامت ج ۲ ص ۱۴)

اپنے اس باطل عقیدے پر مفتی مذکور نے جھوٹ بولتے ہوئے لکھا ہے کہ: ''ابن جوزی سے کسی نے پوچھا کہ خدا کہاں ہے تو فرمایا کہ ہر جگہ موجود ہے'' (ایضاً ص ۱۴)

اس کذب وافتراء کے سراسر برعکس حافظ ابن الجوزی نے جہمیہ کے فرقہ ملتزمہ کے بارے میں لکھا ہے کہ:

''والملتزمة جعلوا الباري سبحانه وتعالیٰ فی کل مکان '' اور ملتزمہ نے باری سبحانہ وتعالیٰ کو ہر جگہ (موجود) قرار دیا ہے۔

(تلبيس إبليس ص ٣٠، أقسام أهل البدع)

قول: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سجدوں میں '' **سبحان ربی الاعلی** '' پاک ہے میرا رب اعلی، پڑھتے تھے۔

فعل: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفات کے دن خطبہ دیا تو (صحابہ سے) پوچھا: سن لو کیا میں نے دین پہنچا دیا ہے؟ صحابہ نے گواہی دی: جی ہاں' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے اللہ! تو گواہ رہ، آپ نے شہادت کی انگلی آسمان کی طرف اٹھائی اور اوپر سے نیچے لاتے ہوئے لوگوں کی طرف اشارہ کیا۔ (صحیح مسلم: ۱۴۷/۱۲۱۸) یہ فعل کے ساتھ اللہ کے علو (بلند ہونے) کا اثبات ہے۔

(سوال: اللہ کہاں ہے؟)

تقریر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لونڈی سے پوچھا کہ: اللہ کہاں ہے؟ اس لونڈی نے کہا: آسمان پر ہے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لونڈی کی تعریف کی (صحیح مسلم: ۵۳۷/۳۳) یہ تقریری حدیث ہے۔ اجماع کے سلسلے میں عرض ہے کہ تمام سلف صالحین، صحابہ، تابعین اور ائمہ دین کا اس پر اجماع ہے۔ اجماع کا ثبوت اس سے ملتا ہے کہ ان میں سے کسی ایک سے بھی علو والے دلائل میں ظاہر سے مجاز کی طرف کلام پھیرنا مروی اور ثابت ہی نہیں ہے۔ ہماری کتاب یعنی الشرح الممتع) میں یہ بات پہلے گزر چکی ہے کہ اجماع کے معلوم کرنے کا یہ طریقہ بہترین طریقہ ہے۔ اگر کوئی پوچھنے والا آپ سے پوچھے کہ:

یہ کون کہتا ہے کہ انہوں نے اجماع کیا ہے؟ کون کہتا ہے کہ ابوبکر (رضی اللہ عنہ) اللہ کو بذاتہ بلند سمجھتے تھے؟ اور کون کہتا ہے کہ عمر (رضی اللہ عنہ) نے یہ عقیدہ بیان کیا ہے؟ اور کون کہتا ہے کہ عثمان (رضی اللہ عنہ) نے یہ بات کہی ہے؟ اور کون کہتا ہے کہ علی (رضی اللہ عنہ) یہ عقیدہ رکھتے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان (صحابہ و تابعین) سے علو والے دلائل کے خلاف کچھ بھی ثابت نہیں ہے تو یہ اس کی دلیل ہے کہ وہ ان آیات واحادیث کا اثبات کرتے ہوئے انہیں ظاہر پر محمول کرتے تھے۔

عقل کے سلسلے میں عرض ہے کہ بلند (عالی) ہونا صفتِ کمال ہے اور اس کی ضد (بلند نہ ہونا) صفتِ نقص ہے اور اللہ تعالیٰ صفتِ نقص سے مبرہ (وبری) ہے۔ اور سلطنت کا تمام علو ہوتا ہے۔ ہم دنیا میں دیکھتے ہیں کہ بادشاہوں کے لیے بلند تخت بچھائے جاتے ہیں جن پر وہ بیٹھتے ہیں۔

فطرت کے سلسلے میں جتنا بیان کریں اتنا کم ہے۔ ایک بوڑھی عورت جو نہ تو پوری قرأت کے ساتھ قرآن جانتی ہے اور نہ اسے سنت کا (بخوبی) علم ہے، نہ اس نے سلف کی کتابیں مثلاً '' فتاویٰ شیخ الاسلام ابن تیمیہ'' پڑھا ہے، تاہم وہ جانتی ہے کہ اللہ آسمان پر ہے۔

تمام مسلمان جب اللہ سے دعا کرتے ہیں تو اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے ہیں۔ کوئی مسلمان بھی زمین کی طرف ہاتھ اٹھا کر کبھی '' **اَللّٰھُمَّ اغْفِرْلِی** '' (اے اللہ میرے گناہ معاف کردے) کبھی نہیں کہتا۔ اس لئے ھمدانی نے

ابوالمعالی الجوینی پر انسانی فطرت سے دلیل پیش کی تھی۔ ابوالمعالی الجوینی کا قول تھا کہ ''اللہ تھا اور اس کے علاوہ دوسری کوئی چیز نہیں تھی اور وہ اللہ اب اسی پر ہے جس پر وہ تھا'' وہ اس طریقے سے عرش پر اللہ کے مستوی ہونے کا انکار کرتا تھا۔ تو ابوجعفر الھمد انی رحمہ اللہ نے اس سے کہا: اے شیخ! عرش کے ذکر کو چھوڑ و کیونکہ اللہ کا عرش پر مستوی ہونا سمعی دلیل (یعنی قرآن وحدیث) سے ثابت ہے۔ اگر اللہ ہمیں اس کی خبر نہ دیتا تو ہم کبھی اس کا اثبات نہ کرتے۔ اس فطرت کے بارے میں کیا خیال ہے؟ جو عارف (سمجھدار، اللہ کو پہچاننے والا) جب ''یا اللہ'' کہتا ہے تو اس کے دل میں اللہ کی بلندی کا خیال ہی آتا ہے؟ ابوالمعانی اپنے ہاتھ سے اپنا سر پیٹتے ہوئے کہنے لگا: ''اس نے مجھے حیران کر دیا، اس نے مجھے حیران کر دیا'' (دیکھئے سیر اعلام النبلاء ۱۸/۴۷۷) اس فطری دلیل پر وہ (امام الحرمین) کوئی جواب نہ دے سکا۔

(چیونٹی کی فطرت)

حتی کہ حیوانات بھی اسی فطرت پر ہیں، جیسا کہ سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام کے قصے میں مروی ہے کہ جب وہ بارش مانگنے (استسقاء) کے لیے نکلے تو دیکھا کہ ایک چیونٹی کمر کے بل لیٹی اپنے پاؤں آسمان کی طرف اٹھائے کہہ رہی ہے:
''اے اللہ ہم بھی تیری مخلوقات میں سے ہیں۔ ہم تیرے رزق سے بے نیاز نہیں ہو سکتے'' سلیمان علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا: ''لوگو! واپس جاؤ، تمہارے علاوہ دوسرے یعنی (چیونٹی) کی دعا قبول ہو گئی ہے۔ (سنن الدارقطنی ۲/۶۶ والحاکم فی المستدرک ۱/۳۲۵، ۳۲۶ وصححہ ووافقہ الذھبی) اس کی سند حسن ہے/مترجم، و أخطأ من ضعفه
اس چیونٹی کی دعا کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے بارش نازل فرما دی۔ اس چیونٹی کو کس نے بتایا تھا کہ اللہ آسمان پر ہے؟ وہ اسی فطرت پر تھی جس پر اللہ نے اپنی مخلوقات پیدا کی ہیں، اسی فطرت نے اسے بتایا کہ اللہ آسمان پر ہے۔
تعجب ہے کہ ان واضح دلائل کے باوجود بصیرت کے اندھے بعض لوگ اللہ کے علو (بلند ہونے) کا انکار کرتے ہیں، کہتے ہیں کہ: ''ذات کے ساتھ اللہ کا بلند ہونا ممکن نہیں'' اگر کوئی انسان یہ کہے کہ ''بے شک اللہ اپنی ذات کے ساتھ ہر چیز سے بلند ہے'' تو وہ اسے کافر کہتے ہیں کیونکہ ان کے خیال میں اس نے اللہ کی حد بیان کر دی ہے۔
جو شخص اللہ کو (اپنی ذات کے لحاظ سے) اوپر مانتا ہے کیا وہ اللہ کے محدود ہونے کا عقیدہ رکھتا ہے؟ کبھی نہیں، اللہ اوپر ہے، کسی نے اس کا احاطہ نہیں کیا۔ اللہ کو محدود کہنے والا وہ شخص ہے جو یہ دعوی کرتا ہے کہ ''اللہ ہر مکان میں ہے۔ اگر تو مسجد میں ہے تو اللہ مسجد میں ہے اور اگر تو بازار میں ہے تو اللہ بازار میں ہے'' والخ۔ اہل سنت کہتے ہیں کہ: ''اللہ آسمان پر ہے، مخلوقات میں سے کوئی چیز اس کا احاطہ نہیں کر سکتی'' یہ اعلی درجے کی تنزیہ (اللہ کو ہر عیب سے پاک سمجھنا) ہے۔
علو صفت کی دلیل اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:
﴿وَلِلّٰهِ الْمَثَلُ الْاَعْلٰى﴾ اور اعلی مثال اللہ ہی کے لیے ہے۔ (سورۃ النحل: ۶۰)
یعنی کامل ترین صفت اللہ ہی کے لیے ہے۔ اور یہ سماعی دلیل ہے۔ رہی عقل کی بات تو اس کا قطعی فیصلہ کرتی ہے کہ رب تعالیٰ کی کامل و مکمل صفات ہونی چاہئیں۔ (الشرح الممتع علی زاد المستقنع طبع دار ابن الجوزی ۱۴۲۳ھ ج ۳ ص ۵۳۲ تا ۳۶)

سنت سے محبت

ابوالعباس حافظ شیر محمد

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿ قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَیَغْفِرْلَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ﴾

کہہ دو، اگر تم اللہ سے محبت کرتے ہو تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا۔

(آل عمران:۳۱)

اس آیت کریمہ سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع کا صرف ایک ہی طریقہ ہے، وہ یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث پر عمل کیا جائے۔ صحیح احادیث پر عمل کرنے سے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور اللہ کی اطاعت ہو سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ﴿ مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ ﴾

جس نے رسول کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی (النساء:۸۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''من أطاعني دخل الجنة''

جس نے میری اطاعت کی وہ جنت میں داخل ہوگا (صحیح البخاری:۷۲۸۰)

ایک حدیث میں آیا ہے کہ:

'' **فمن أطاع محمداً صلی الله علیه وسلم فقد أطاع الله ومن عصی محمداً صلی الله علیه وسلم فقد عصی الله** ''

پس جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کی تو یقیناً اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کی تو یقیناً اس نے اللہ کی نافرمانی کی (البخاری:۷۲۸۱)

سیدنا مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

'' **ألا إني أوتیت الکتاب و مثله معه** '' سن لو، بے شک مجھے (قرآن کی) کتاب دی گئی ہے اور (حجت ہونے میں) اس کے ساتھ اس جیسی دی گئی ہے۔

(احمد فی مسندہ ۱۳۱/۴ ح ۱۷۳۰۶ او الموسوعۃ الحدیثیۃ ۴۱۰/۲۸، ابوداود: ۴۶۰۴ و اسنادہ صحیح)

صحیح ابن حبان (الاحسان:۱۲) میں یہ روایت دوسری سند کے ساتھ " انی أوتيت الكتاب و ما يعد له " کے الفاظ سے موجود ہے۔ (نسخۂ مؤسسۃ الرسالۃ ۱/۱۸۹) اس صحیح حدیث سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی طرح نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث بھی شرعی حجت ہے۔

سیدنا ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے خلیفہ ہونے کے بعد، خطبہ دیتے ہوئے علانیہ فرمایا تھا کہ:

" أطيعوني ما أطعت الله ورسوله فإذا عصيت الله ورسوله فلا طاعة لي عليكم "

جب تک میں اللہ کی اطاعت کروں تو میری اطاعت کرو، اور جب میں اللہ اور رسول کی نافرمانی کروں تو تمہارے اوپر میری کوئی اطاعت لازم نہیں ہے۔ (السیرۃ لمحمد بن اسحاق بن یسار ص ۱۸/۷ وسندہ حسن، السیرۃ لابن ھشام ۴/۳۱۱)

اس صحیح تاریخی خطبے سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

اول: اللہ کی اطاعت کی طرح رسول اللہ ﷺ کی (یعنی احادیث صحیحہ کی) اطاعت فرض ہے۔

دوم: قرآن وحدیث کے مقابلے میں ہر شخص کی بات مردود ہے۔

سوم: تقلید ناجائز ہے۔

سیدنا عمر رضی اللہ عنہ نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث سننے کے فوراً بعد اس پر عمل کیا تھا۔

سالم بن عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں: " أن عمر إنما انصرف من حديث عبدالرحمن "

یعنی بے شک (سیدنا) عمر رضی اللہ عنہ (سیدنا) عبدالرحمٰن (بن عوف) رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث (عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم) کی وجہ سے واپس آئے تھے۔ (صحیح البخاری:۵۷۳۰)

سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ نے بہت سی احادیث بیان کی ہیں دیکھئے صحیح بخاری (۲۹۸۷، ۴۱۶۰۔۔۔) وصحیح مسلم (۱۴۰۹، ۱۲۰۴۔۔۔) وصحیح ابن خزیمہ (۱۵۱، ۱۵۲۔۔۔) وصحیح ابن حبان (الاحسان:۴۳، ۱۱۸۔۔۔) وغیرہ

سیدنا علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ:" ماكنت لأدع سنة النبي صلى الله عليه وسلم لقول أحد"

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت (حدیث) کو میں کسی شخص کے قول کی بنیاد پر نہیں چھوڑ سکتا (صحیح البخاری:۱۵۶۳)

خلفائے راشدین کے اس اتفاقی طرزِ عمل اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے آثار سے یہ اظہر من الشمس ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث حجت اور معیارِ حق ہے۔ لہٰذا ہر شخص پر یہ فرض ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحیح و ثابت سنت یعنی (احادیث) سے محبت کرے، اسی میں دونوں جہانوں کی کامیابی کا یقین ہے۔

امام اہل سنت: احمد بن حنبل رحمہ اللہ نے صاف صاف اعلان فرمایا ہے کہ:

''جس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (صحیح) حدیث رد کر دی وہ ہلاکت کے کنارے پر ہے''

(الحدیث حضرو:۲ ص۵ ومناقب الامام احمد لابن الجوزی ص۱۷۲) وما علينا إلا البلاغ